سلاطین و قبائل سے کیے گئے
پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے معاہدے
عکسِ سیرت
منصور احمد بٹ
(تمغۂ حسنِ کمال و تمغۂ صدارت)
زاویہ پبلشرز
زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ ۔ لاہور

سلاطین و قبائل سے کیے گئے

منصور احمد بٹ
(تمغہ حسن کمال و تمغہ صدارت)

Ph: 042-37248657- 37112954
Mob: 0300-9467047- 0321-9467047- 03004505466
Email:zaviapublishers@gmail.com

2014ء

بار اول.............................1100

ہدیہ.............................300

ناشر.............................نجابت علی تارڑ

**﴿لیگل ایڈوائزرز﴾**

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈوکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈوکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

**﴿ملنے کے پتے﴾**

زاویہ پبلشرز

شوروم

ظہور ہوٹل، دکان نمبر 2، دا تا دربار مارکیٹ، لاہور

042-37248657

| | |
|---|---|
| مکتبہ برکات المدینہ، کراچی | 021-34219324 |
| مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی | 021-32216464 |
| اسلامک بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی | 051-5536111 |
| اشرف بک ایجنسی، کمیٹی چوک، راولپنڈی | 051-5551519 |
| مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدر آباد | 022-2780547 |
| مکتبہ متینویہ، پرانی سبزی منڈی روڈ، بھاول پور | 0301-7728754 |
| نورانی ورانٹی ہاوس، بلاک نمبر 4، ڈیرہ غازی خان | 0321-7387299 |
| مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر پاکپتن شریف | 0301-7241723 |
| مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ | 0321-7083119 |
| اقرا بک سیلرز، فیصل آباد | 041-2626250 |
| مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد | 041-2631204 |
| مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد | 0333-7413467 |
| مکتبہ سخی سلطان حیدر آباد | 0321-3025510 |

بڑے بھائی

حاجی مقصود احمد بٹ

کے نام

جو محبت، شفقت اور ایفائے عہد

کی روشن مثال ہیں

# اوراقِ رہنما

# حرفِ محبت

اللہ رب العزت کا ہزارہا شکر کہ اس نے ہمیں اپنی بندگی اور اپنے محبوب ﷺ کی غلامی کے طوق سے سرفراز فرمایا۔ ہمارے دلوں میں اسلام کی شمع فروزاں کی۔ ہمیں راہِ مستقیم پر گامزن کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مختلف حالات کے پیشِ نظر "شاہانِ عالم" عرب کے حکمرانوں، ہمسایہ اقوام اور قبائلی سرداروں کے نام جو مکتوبات گرامی ارسال فرمائے، اور مختلف قبائل سے معاہدے کیے، وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ چنانچہ حدیث اور سیرت پاک کی کوئی تصنیف ان کے ذکر سے خالی نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ میں جابجا یہ خطوط اور معاہدے نقل کیے گئے ہیں۔ بنابریں زمانہ نبوت عرب میں خطوط اور معاہدات پر تاریخ لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ اگرچہ محدثین و مورخین نے بعض مکاتیب نبوی کے ساتھ ان کے زمانہ تحریر کی تصریح کر دی ہے مگر معاہدات نبوی ﷺ کی بڑی تعداد ایسی ہے، جن میں زمانہ تحریر کی صراحت نہیں ملتی اس لیے ان کی ترتیب زمانی معلوم کرنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ خود معاہدات کے متن سے اس بارے میں مدد لی جائے۔

نبی کریم ﷺ کی حیات مقدسہ پر جس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بلا شبہ اتنی کتابیں کسی دوسری شخصیت پر آج تک نہ لکھی گئی ہیں اور نہ ہی لکھی جائیں گی۔ نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکت کا ایک ایک واقعہ آفتاب عالمتاب کی طرح روشن اور درخشندہ ہے۔ آپ ﷺ کی

کتاب زیست کا ایک ایک ورق دنیا کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ کسی دور کی تاریخ کو سمجھنے کا سب سے زیادہ قابل اعتماد ذریعہ اس دور کی دستاویزات، معاہدے اور خطوط سمجھے جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی یہ مقدس تحریریں روح پرور بھی ہیں اور ایمان افروز بھی، یہ جہاں اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں وہاں ان میں وہ گہرائی اور کشش بھی ہے جو لکھنے والے کی صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے یہ مبارک و مقدس خطوط اور معاہدات صدق و راستی کی ایک دنیا اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں ان کے چند الفاظ میں جو کشش ہے وہ پورے ایک دفتر میں نہیں مل سکتی۔

عہدِ نبوی ﷺ کے انقلاب کو سمجھنے میں یہ نامہ ہائے مبارک اور معاہدات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں کس طرح مخاطب فرمایا، ان کے ساتھ کس حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے؟ اور یہ کہ خود ان لوگوں پر کیا تاثرات مرتب ہوئے؟ انہوں نے اسلام کا خیر مقدم کیا یا رد کر دیا ہے۔ یہ سب باتیں آپ کو زیر نظر کتاب کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوں گی۔

زیر مطالعہ کتاب پیارے نبی ﷺ کے پیارے معاہدے میں نبی برحق ﷺ کے تمام دستیاب شدہ معاہدوں کو حتی الامکان جمع کر دیا گیا ہے۔ ان معاہدوں سے اسلام کی دعوت و تبلیغ کو غیر مسلموں تک پہنچانے کے لیے حکمت کی وہ روشنی ملتی ہے، جس سے وقت کے اہم تقاضوں اور پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔

والسلام

منصور احمد بٹ

0300-9427827

0321-4883686

# 1

## معاہدہ مدینہ

(دنیا کا پہلا تحریری دستور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

❶ خدا کے پیغمبر محمد (ﷺ) کا یہ معاہدہ مہاجرین، قریش اور اہلِ یثرب (مدینہ) میں سے اسلام قبول کرنے والوں اور ان سب لوگوں کے لیے نافذ ہوگا، جو مذکورہ جماعتوں کے ساتھ متفق ہوں اور ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں۔

❷ غیر معاہدین کے مقابلے میں معاہدین کی ایک علیحدہ جماعت شمار ہوگی۔

❸ مہاجرین قریش بجائے خود ایک جماعت ہیں۔ وہ حسب سابق اپنے مجرموں کی جانب سے دیت (خون بہا) کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے اور اپنے قیدیوں کو خود ہی فدیہ دے کر چھڑائیں گے، یہ سب کام ایمان و انصاف کے اصول کے ماتحت ہوں گے۔

❹ بنی عوف اپنی جماعت کے خود ذمہ دار ہوں گے، اور

حسب دفعہ 3 اپنی دیت باہم مل کر ادا کریں گے، اور اپنے قیدیوں کو خود ہی فدیہ دے کر چھڑانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تمام کام اصول و دیانت اور انصاف کے ماتحت انجام پائیں گے۔

۵ بنی الحارث اپنی جماعت کے خود ذمہ دار ہوں گے، اور حسب دفعہ 3 اپنی دیت باہم مل کر ادا کریں گے، اور اپنے قیدیوں کو خود ہی فدیہ دے کر چھڑانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تمام کام اصول دیانت اور انصاف کے ماتحت انجام پائیں گے۔

۶ بنی ساعدہ اپنی جماعت کے خود ذمہ دار ہوں گے، اور حسب دفعہ 3 اپنی دیت باہم مل کر ادا کریں گے، اور اپنے قیدیوں کو خود ہی فدیہ دے کر چھڑانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تمام کام اصول دیانت اور انصاف کے ماتحت انجام پائیں گے۔

۷ بنی جشم اپنی جماعت کے خود ذمہ دار ہوں گے، اور حسب دفعہ 3 اپنی دیت باہم مل کر ادا کریں گے، اور اپنے قیدیوں کو خود فدیہ دے کر چھڑانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تمام کام اصول دیانت اور انصاف کے ماتحت انجام پائیں گے۔

۸ بنی النجار اپنی جماعت کے خود ذمہ دار ہوں گے، اور حسب دفعہ 3 اپنی دیت باہم مل کر ادا کریں گے، اور اپنے قیدیوں کو خود فدیہ دے کر چھڑانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تمام کام اصول دیانت اور انصاف کے ماتحت انجام پائیں گے۔

۹ بنی عمرو اپنی جماعت کے خود ذمہ دار ہوں گے، اور حسب دفعہ 3 اپنی دیت باہم مل کر ادا کریں گے، اور اپنے قیدیوں

کو خود ہی فدیہ دے کر چھڑانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تمام کام اصول دیانت اور انصاف کے ماتحت انجام پائیں گے۔

◆ ۱۰ بنی النبیت اپنی جماعت کے خود ذمہ دار ہوں گے، اور حسب دفعہ 3 اپنی دیت باہم مل کر ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کو خود ہی فدیہ دے کر چھڑانے کے ذمہ دار ہوں گے، یہ تمام کام اصول دیانت اور انصاف کے ماتحت انجام پائیں گے۔

◆ ۱۱ بنی الدوس اپنی جماعت کے خود ذمہ دار ہوں گے، اور حسب دفعہ 3 اپنی دیت باہم مل کر ادا کریں گے، اور اپنے قیدیوں کو خود ہی فدیہ دے کر چھڑانے کے ذمہ دار ہوں گے، یہ تمام کام اصول دیانت اور انصاف کے ماتحت انجام پائیں گے۔

◆ ۱۲ مسلمانوں میں اگر کوئی مفلس کسی ایسے جرم کا مرتکب ہو جس پر دیت واجب ہوتی ہے، یا کہیں قید ہو جائے اور فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر لازم ہو گا کہ وہ اس شخص کی جانب سے دیت یا فدیہ ادا کر کے اس کو چھڑائیں تاکہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں نیکی اور ہمدردی رونما ہو۔

◆ ۱۳ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے آزاد کردہ غلام کی مخالفت نہیں کرے گا۔

◆ ۱۴ مسلمانوں پر فرض ہو گا کہ وہ ہر ایسے شخص کی علی الاعلان مخالفت کریں جو فتنہ وفساد برپا کرتا ہو، اور خلق خدا کو ستاتا ہو یا زبردستی کوئی چیز حاصل کرنا چاہے، اور سرکشی اختیار کرے۔ ایسے شخص کو سزا دینے میں تمام مسلمان آپس میں متفق رہیں گے خواہ

وہ شخص ان میں سے کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔

⑮ کسی مسلمان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ کسی مسلمان کو کسی کافر (محارب) کے بدلے قتل کرے، یا کسی مسلمان کے مقابلے میں کسی محارب کو مدد پہنچائے۔

⑯ خدا کا عہد، ذمہ داری اور پناہ ایک ہی ہے۔ یعنی اگر کسی مسلمان نے کسی کو پناہ دے دی تو اس کی پابندی تمام مسلمانوں پر لازم ہوگی، خواہ پناہ دینے والا ادنیٰ درجے کا مسلمان ہی کیوں نہ ہو، تمام مسلمان دوسروں کے مقابلے میں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

⑰ جن یہود نے ہمارے ساتھ معاہدہ کرلیا ہے۔ ان کے متعلق مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کو مدد دیں، اور مواخات کا برتاؤ کریں۔ ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے اور نہ ان کے خلاف ان کے دشمن کو مدد دی جائے۔

⑱ سب مسلمانوں کی صلح ایک ہی ہوگی، جب اللہ کی راہ میں جنگ ہو تو کوئی مسلمان دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر دشمن سے اس وقت تک صلح نہیں کرے گا جب تک وہ صلح سارے مسلمانوں کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔

⑲ ان تمام جماعتوں کو جو ہمارے ساتھ جنگ میں حصہ لیں گی نوبت بہ نوبت آرام کرنے کے لیے موقع دیا جائے گا۔

⑳ جو مسلمان جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو جائیں گے، ان کے پسماندگان کا مکفل تمام مسلمانوں پر واجب ہوگا۔

㉑ بلاشبہ تمام متقی اور پرہیزگار اس راہ راست اور سب سے

اچھے طریقے پر ہیں۔

◆ ۲۲ کوئی غیر مسلم معاہد قریش کی جان و مال کو کسی طرح پناہ نہ دے گا، اور نہ کسی غیر مسلم کو مسلمان کے مقابلے میں مدد پہنچائے گا۔

◆ ۲۳ کوئی شخص اگر کسی مسلمان کو قتل کر دے، اور ثبوت موجود ہو تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ ہاں اگر مقتول کا وارث دیت لینے پر راضی ہو جائے تو دیت ادا کر کے گلو خلاصی ہو سکتی ہے۔ تمام مسلمانوں پر بلا استثناء اس امر کی تعمیل لازمی ہوگی۔ مذکورہ امور کے علاوہ اور کوئی چیز قابل قبول نہ ہوگی۔

◆ ۲۴ کسی مسلمان کے لیے جس نے معاہدے کو تسلیم کر کے اس کی پابندی کا اقرار کر لیا ہے، اور وہ خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے یہ ہرگز جائز نہ ہوگا کہ وہ کوئی نئی بات پیدا کرے، اور نہ یہ جائز ہوگا کہ وہ کسی ایسے شخص سے معاملہ رکھے جو اس معاہدے کا احترام نہ کرتا ہو، جو شخص اس امر کی خلاف ورزی کرے گا قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوگا، اور اس بارے میں اس کا کوئی عذر اور توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

◆ ۲۵ اہل معاہد میں سے جب کسی چیز کے متعلق آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کے فیصلے کے لیے خدا اور محمد (ﷺ) سے رجوع کیا جائے۔

◆ ۲۶ اس معاہدے کے بعد یہود پر لازم ہوگا کہ وہ جنگ کی حالت میں جبکہ مسلمان کسی دشمن کے ساتھ برسر پیکار ہوں مسلمانوں کو مالی امداد دیں۔

۲۷ بنی عوف کے یہود جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے، اور مسلمانوں کے حلیف ہیں اپنے مذہب کے پابند رہیں گے، اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہبی باتوں کے علاوہ باقی امور میں مسلمان اور یہود ایک جماعت میں شمار ہوں گے، ان میں اگر کوئی شخص ظلم یا عہد شکنی کا جرم کرے گا تو وہ اپنے جرم کی سزا کا مستحق ہوگا۔

۲۸ بنی النجار کے یہود جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے، اور مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اپنے مذہب کے پابند رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہبی باتوں کے علاوہ باقی امور میں مسلمان اور یہود ایک جماعت میں شمار ہوں گے، ان میں اگر کوئی شخص ظلم یا عہد شکنی یا جرم کرے گا تو وہ اپنے جرم کی سزا کا مستحق ہوگا۔

۲۹ بنی الحارث کے یہود جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے، اور مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اپنے مذہب کے پابند رہیں گے، اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہبی باتوں کے علاوہ باقی امور میں مسلمان اور یہود ایک جماعت میں شمار ہوں گے، ان میں اگر کوئی شخص ظلم یا عہد شکنی یا جرم کرے گا تو وہ اپنے جرم کی سزا کا مستحق ہوگا۔

۳۰ بنی ساعدہ کے یہود جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے اور مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اپنے مذہب کے پابند رہیں گے، اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہبی باتوں کے

علاوہ باقی امور میں مسلمان اور یہود ایک جماعت میں شمار ہوں گے، ان میں اگر کوئی شخص ظلم یا عہد شکنی یا جرم کرے گا تو وہ اپنے جرم کی سزا کا مستحق ہوگا۔

◆ ۳۱ بنی جشم کے یہود جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے اور مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اپنے مذہب کے پابند رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہبی باتوں کے علاوہ باقی امور میں مسلمان اور یہود ایک جماعت میں شمار ہوں گے، ان میں اگر کوئی شخص ظلم یا عہد شکنی یا جرم کرے گا تو وہ اپنے جرم کی سزا کا مستحق ہوگا۔

◆ ۳۲ بنی الدوس کے یہودی جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے اور مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اپنے مذہب کے پابند رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہبی باتوں کے علاوہ باقی امور میں مسلمان اور یہود ایک جماعت میں شمار ہوں گے، ان میں اگر کوئی شخص ظلم یا عہد شکنی یا جرم کرے گا تو وہ اپنے جرم کی سزا کا مستحق ہوگا۔

◆ ۳۳ بنی ثعلبہ کے یہودی جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے اور مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اپنے مذہب کے پابند رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہبی باتوں کے علاوہ باقی امور میں مسلمان اور یہود ایک جماعت میں شمار ہوں گے، ان میں اگر کوئی شخص ظلم یا عہد شکنی یا جرم کرے گا تو وہ اپنے جرم کی سزا کا مستحق ہوگا۔

۳۴ بنی جفنہ کے یہودی جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے اور مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اپنے مذہب کے پابند رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہبی باتوں کے علاوہ باقی امور میں مسلمان اور یہود ایک جماعت میں شمار ہوں گے، ان میں اگر کوئی شخص ظلم یا عہد شکنی یا جرم کرے گا تو وہ اپنے جرم کی سزا کا مستحق ہوگا۔

۳۵ بنی الشطیبہ کے یہودی جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے اور مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اپنے مذہب کے پابند رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہبی باتوں کے علاوہ باقی امور میں مسلمان اور یہود ایک جماعت میں شمار ہوں گے، ان میں اگر کوئی شخص ظلم یا عہد شکنی یا جرم کرے گا تو وہ اپنے جرم کی سزا کا مستحق ہوگا۔

۳۶ بنی عمرو کے یہودی جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے اور مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اپنے مذہب کے پابند رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہبی باتوں کے علاوہ باقی امور میں مسلمان اور یہود ایک جماعت میں شمار ہوں گے، ان میں اگر کوئی شخص ظلم یا عہد شکنی یا جرم کرے گا تو وہ اپنے جرم کی سزا کا مستحق ہوگا۔

۳۷ یہود کے مذکورہ بالا قبائل کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہوں گے۔

۳۸ معاہدہ کرنے والوں میں کوئی محمد (ﷺ) کی اجازت

کے بغیر فوجی اقدام نہیں کرے گا۔

۳۹ کسی زخم یا ضرب کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ جو شخص بھی عہد شکنی کرے گا وہ اس کی سزا کا مستحق ہوگا، اور جو شخص بھی اس معاہدے کی زیادہ سے زیادہ وفادارانہ تعمیل کرے گا، خدا اس کی مدد کرے گا۔

۴۰ اگر مسلمان اور یہود معاہدین کے خلاف کوئی تیسری قوم جنگ کرے تو ان تمام معاہدین کو متفق ہو کر لڑنا ہوگا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور باہم بہی خواہی اور وفا شعاری ہوگی۔ یہودی اپنے مصارف جنگ برداشت کریں گے اور مسلمان اپنے۔

۴۱ معاہدہ کرنے والے فریقین پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوص اور خیر خواہی کا برتاؤ کریں، کوئی کسی پر ظلم اور ناانصافی نہ کرے اور مظلوم کو مدد پہنچائے۔

۴۲ یہودی اس وقت تک مسلمانوں کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں گے۔

۴۳ یثرب کا وہ میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہے، اس معاہدے میں شریک ہونے والوں کے لیے حرم ہوگا۔

۴۴ پناہ گزین سے بھی وہی سلوک کیا جائے گا جو پناہ دہندہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ پناہ گزین پر اس معاہدے کی تعمیل لازم ہوگی اور اسے عہد شکنی کی اجازت نہ ہوگی۔

◆ ۴۵ کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

◆ ۴۶ اہل معاہدہ میں اگر کوئی حادثہ یا اختلاف رونما ہو جس سے نقص امن کا اندیشہ ہو تو اس کے فیصلے کے لیے خدا اور محمد رسول اللہ (ﷺ) سے رجوع کیا جائے۔ جو شخص اس معاہدے کی زیادہ سے زیادہ تعمیل کرے گا خدا اس کے ساتھ ہوگا۔

◆ ۴۷ قریش مکہ اور اس کے کسی مددگار کو کوئی شخص پناہ نہیں دے گا۔

◆ ۴۸ اگر کوئی یثرب (مدینہ) پر حملہ آور ہوگا تو مسلمان اور یہود دونوں فریق مل کر مدافعت کریں گے۔

◆ ۴۹ اگر مسلمان کسی سے صلح کریں گے تو یہود بھی اس صلح کے پابند ہوں گے، اور اگر یہود کسی سے صلح کریں گے تو مسلمانوں پر بھی لازم ہوگا کہ یہود کے ساتھ ایسا ہی تعاون کریں۔ البتہ فریق کی اپنی مذہبی جنگ میں دوسرے فریق پر تعاون کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

◆ ۵۰ یثرب (مدینہ) پر حملہ کی صورت میں ہر جماعت کو اس حصے کی مدافعت کرنا ہوگی جو اس کے مقابل ہو۔

◆ ۵۱ قبیلہ اوس کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے، جو اس معاہدے میں شریک ہونے والوں کو حاصل ہیں بشرطیکہ وہ بھی وفاداری کا اظہار کریں، جو اس معاہدے کو زیادہ سے زیادہ وفاداری کے ساتھ تعمیل کرے گا۔ خدا اس کا حامی و مددگار ہے۔

◆ ۵۲ اس معاہدے میں شریک ہونے والی جماعتوں میں سے اگر کسی فریق یا جماعت کو جنگی ضرورت سے مدینہ سے باہر جانا پڑے تو وہ امن وحفاظت کی مستحق ہوگی، اور جو مدینہ میں رہے اس کے لیے بھی امن ہوگا، کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا اور نہ کسی کے لیے عہد شکنی جائز ہوگی۔ جو اس معاہدے کا سچے دل سے احترام اور تعمیل کرے گا اس کے لیے اللہ اور اس کا رسول محمد (ﷺ) نگہبان ہیں۔

اس معاہدے کے ایک فریق مسلمان تھے، اور دوسرا فریق مشرکین مدینہ اور یہودیوں کا تھا، اس میں وہ سب لوگ بھی شامل تھے جو مشرکین اور یہودیوں کے حلیف تھے اور مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں آباد تھے۔

معاہدے کا خلاصہ یہ ہے:

"جس فریق کے جو معاہدات آپس میں ہیں۔ ان کا احترام کیا جائے اور ان شرائط کی پوری تائید کی جائے گی، جو ان کے حلیف ہوں گے ان سے تعاون کیا جائے گا، اور جو مخالف ہوں گے ان سے کوئی تعلق نہیں رکھا جائے گا۔ معاہدے کے دونوں فریق اپنے اپنے مذہب میں آزاد ہوں گے۔ اس بارے میں کوئی ایک دوسرے پر جبر نہ کر سکے گا۔ اس معاہدے کو سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک طرح کا "بقائے

باہم" اور "متحدہ دفاع" کا معاہدہ ہے۔ جس کی رو سے شہر مدینہ
ایک حرم یعنی سیاسی وحدت یا ایک شہری مملکت قرار دیا گیا ہے۔"

❀

نبی برحق ﷺ نے جب مکہ مکرمہ میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے مبارک کام کا آغاز کیا تو ابتدا میں قریش نے حیرت کا اظہار کیا۔ پھر وہ نفرت اور آخر کار مخالفت اور دشمنی پر اتر آئے، اور رحمت اللعالمین ﷺ اور اسلام قبول کرنے والوں پر طرح طرح کے لرزہ خیز مظالم ڈھانے لگے۔ جب مقامی حالت ناقابل برداشت ہوگئی اور جسمانی اذیتوں سے جان کے لالے پڑ گئے تو نبوت کے تیرھویں سال ربیع الاول بمطابق 622ء میں آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

مدینہ منورہ میں (جو اب تک یثرب کے نام سے موسوم تھا، رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد مدینۃ الرسول کے نام سے موسوم ہوا) مدینہ میں ان عرب قبائل کے علاوہ جن کے بعض خوش نصیب افراد اسلام کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے۔ یہودیوں کے بھی مختلف قبائل آباد تھے۔

عرب میں اس وقت قبائلی نظام رائج تھا، کوئی باقاعدہ مرکزی حکومت نہ تھی، ہر قبیلے کا علیحدہ علیحدہ سردار ہوتا تھا، اس لامرکزیت کا لازمی نتیجہ خانہ جنگی تھی۔ جس میں عرب صدیوں سے مبتلا تھے، اور اس کا لامتناعی سلسلہ کسی طرح ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔

ہجرت کے بعد جب اسلام مدینہ منورہ پہنچا تو اس کی حیثیت دعوت سے بڑھ کر ایک شہری ریاست کی ہوگئی۔ اس ریاست کے سربراہ اعلیٰ نبی کریم ﷺ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ منورہ کو "حرم" قرار دے کر ایک متحدہ مرکز بنا دیا، اور ایک ایسی سلطنت قائم کی جو خاندان اور قبیلے کی عصبیت اور رنگ و نسل کے امتیاز سے ماوراء تھی۔ اس میں ایک ایسا نظام رائج کیا جس کی بنیاد تقویٰ اور عدل و

انصاف پر رکھی گئی تھی۔

نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ میں قیام کے بعد وہاں کے منتشر اجزاء کو ایک مرکز پر لانے کی مساعی کا آغاز ہوا۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک ایسے معاشرے کی تشکیل فرمائی جس میں دینی اور اخلاقی تبلیغ کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور تہذیبی و تمدنی نظام کی بنیادوں کو بھی استوار کیا گیا، اور ایک عظیم کام اتنی قلیل مدت میں تیزی سے انجام پذیر ہوا کہ تاریخ میں اس سے پہلے اتنے بڑے انقلاب کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے علاوہ یہودیوں کے بھی متعدد قبائل آباد تھے، اور خزرج کے مقابلے میں یہودی زیادہ تعلیم یافتہ، صناع، دولت منداور متمدن تھے۔ اوس اور خزرج بھی ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔ یہودیوں نے مدینہ اور اس کے اطراف میں تجارت کے ساتھ سودی لین دین کا کاروبار بھی پھیلا رکھا تھا۔ تمام آبادی ان کے قرضوں سے زیر بار رہتی تھی۔ اسلحہ جنگ کے ذخیرے بھی بڑی تعداد میں ان کے پاس موجود رہتے تھے۔

ان لوگوں میں اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ ان سے سیاسی تعلقات کی نوعیت متعین ہو جائے کیونکہ قریش یہ جان کر کہ مسلمان مکہ سے چلے گئے ہیں مطمئن ہو کر نہیں بیٹھے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی جماعت مدینہ میں جمع ہو رہی ہے تو انہوں نے اسلام کے اس نئے مرکز کو تباہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس لیے ضروری تھا کہ مدینہ کے چاروں اطراف یہود کی جو بستیاں تھیں مسلمان ان سے اپنے سیاسی تعلقات واضح طور پر متعین کر لیں تاکہ قریش کے حملے کے وقت یہودی ان کے مددگار نہ بن سکیں۔ یہودی ایک بڑی طاقتور قوم تھے۔ مدینہ کے دوسرے دو بڑے قبائل اوس اور خزرج کی باہمی جنگوں میں یہودی ایک دوسرے کے حلیف بن کر شامل ہوا کرتے تھے۔ اوس اور خزرج میں ہمیشہ باہم

جنگ رہتی تھی۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قریظہ جنگ میں اوس کا ساتھ دیتا تھا، اور دوسرا قبیلہ بنو نضیر، خزرج کا حلیف ہوتا تھا۔

اوس اور خزرج کے بہت سے افراد حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آتے ہی یہودی قبائل کے ساتھ امن و امان کا معاہدہ کیا اور آپس میں صلح و امن کے ساتھ رہنے کی بنیاد ڈالی۔ معاہدے کی رو سے فریقین اس بات کے ذمہ دار تھے کہ مدینہ میں امن و امان قائم رکھیں گے، اور اگر کوئی غنیم مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو سب مل کر مشترکہ طور پر دفاع اور مقابلہ کریں گے۔

اس معاہدہ کی رو سے دونوں فریقین کو ترقی کے یکساں مواقع حاصل تھے۔ مشترکہ ذمہ داریوں کی بنیاد پر امن و آشتی کے ساتھ اسلام کے پھلنے پھولنے کے لیے موزوں ترین فضا ہی ہو سکتی تھی، لیکن آگے چل کر یہودیوں نے نہ صرف یہ کہ معاہدے کا کوئی احترام نہیں کیا بلکہ وہ قریش مکہ سے برابر ساز باز کرتے رہے اور جن مقاصد کے لیے معاہدہ عمل میں آیا تھا ان کو خود یہودیوں نے پامال کر دیا، مگر اوس اور خزرج معاہدے پر قائم رہے اور ان کی صدیوں سے وقفے وقفے سے جاری جنگوں کا سلسلہ یک لخت رک گیا۔ یہ معاہدہ 52 دفعات پر مشتمل تھا۔ اس میں ابتدائی 25 دفعات مسلمانوں اور عرب قبائل سے متعلق ہیں، اور آخری 27 دفعات میں یہودیوں کے حقوق و فرائض سے بحث کی گئی ہے، جو انصار کے بعد مدینہ منورہ کی دوسری بڑی طاقت تھے۔

یہ معاہدہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ جو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوع انسانی کو عطا فرمایا۔ اس معاہدے میں صاف طور پر اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ منبع اقتدار ذات خداوندی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد کی کمی سے جو کمزوری اور خطرات پیدا ہو سکتے تھے، اس کے تدارک کے لیے انہیں راہ ہدایت پر ہونے کا اطمینان دلا کر نصرت خداوندی کا یقین دلایا گیا ہے۔

پناہ دہی کا حق انفرادی طور سے چھوٹے بڑے کو دیا گیا ہے، اور پناہ کے وعدے کا احترام پوری امت پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح آزادی عمل اور بڑے اور چھوٹوں کے درمیان اخوت و مساوات قائم کر دی گئی ہے۔

معاہدے میں انصاف میں مداخلت کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی گئی ہے۔ معاملات میں جانبداری برتنے اور اپنے قریب ترین رشتے داروں تک کی بے جا حمایت کرنے کی کوشش سے روک دیا گیا ہے، اور اس بات پر آمادہ کیا گیا ہے کہ ہر ضرر پہنچانے والے کو سزا دینے میں پوری طرح ہر شخص ہاتھ بٹائے۔ یہودیوں کے مسلمانوں کے ساتھ سیاسی اور تمدنی حقوق میں صراحت کے ساتھ مساوات قائم کر کے پورے حقوق شہریت عطا کیے گئے ہیں، اور انہیں مذہبی آزادی دے کر نہایت فیاضانہ رواداری کا معاملہ برتا گیا ہے۔ ان کی شریعت اور ان کے حقوق کی مساوات تسلیم کی گئی ہے۔ چنانچہ معاہدے میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ دشمن سے کسی جنگ کی صورت میں اگر مسلمان اور یہودی اتحاد عمل کریں گے تو ہر حلیف اپنے مصارف جنگ خود برداشت کرے گا۔

اس معاہدے کے ذریعے مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ کی طرح حرم قرار دے کر ایک متحدہ مرکز بنا دیا گیا، اور ایک ایسا نظام قائم کیا گیا جو ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں میں بہت جلد رائج ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ نے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے متعدد حکیمانہ تدابیر اختیار کیں۔ جن میں سے ہر تدبیر انقلاب کی طرف بھرپور پیش قدمی کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان تدابیر میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے اسلامی تحریک کی 23 برس تک قیادت فرمائی۔ اس انقلابی جدوجہد میں حضور ﷺ نے قیادت کا ایک نیا

معیار قائم فرمایا۔ وہ قیادت جو اپنے ساتھیوں کے دلوں پر متمکن تھی، جس سے لوگوں کو والہانہ محبت تھی، جس کی شفقت، محبت، بصیرت، رہنمائی اور دانائی پر سارے ہی قافلے والوں کو مکمل اعتماد تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں میں بیٹھے ہوئے نشان عظمت سے پہچانے نہیں جاتے تھے بلکہ آپ ﷺ سب میں سے ایک تھے۔ سب کے ہمدرد، سب کے خیر خواہ اور سب کے سرپرست۔

نبی کریم ﷺ کی شخصیت ہمہ پہلو رحمت و راحت تھی۔ جس نے ایک بار آپ ﷺ کو دیکھ لیا۔ اس نے دیکھ کر ہی گواہی دے دی کہ وہ چہرہ مبارک کسی جھوٹے مدعی کا چہرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھا، اس نے اپنی عزت آبرو، عزت نفس اور جان و مال کو محفوظ پایا۔ جس نے آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا پھر وہ ہاتھ تحریک کی کامیابی کے آخری مدارج تک آپ ﷺ ہی کے ہاتھ میں رہا۔ آپ ﷺ نے کسی کا ہاتھ کبھی نہ جھٹکا تھا۔ آپ ﷺ کے دائیں بائیں دنیادار رہنماؤں کی طرح کوئی سیاسی یا داخلی کشمکش نہ تھی۔ آپ ﷺ کے ساتھی خدا کے نیک بندے، باہمی حقوق کے ادا کرنے والے، آپس میں رحمت و شفقت کے مجسمے اور کفار کے لیے سخت تھے۔ آپ ﷺ سے کبھی کسی کو بے رخی کا گلہ نہ ہوا۔ آپ ﷺ سے کسی سرد مہری کا شکوہ نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے ادنیٰ سے ادنیٰ ساتھی کو بھی ہمیشہ نگاہ میں رکھا، اور اس کے حالات سے آگاہ رہے۔ آپ ﷺ سے آپ ﷺ کا کوئی ساتھی چند دن نہ مل سکا تو آپ ﷺ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔

آپ ﷺ لوگوں کی مشکلات سے آگاہ ہوتے۔ ان کے دکھ درد میں شرکت فرماتے۔ ان کو مصائب میں تسلی اور مدد دیتے اور ان کی پریشانیوں کا مداوا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو اپنے ساتھیوں سے بے پناہ محبت تھی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ ایک شخص کہتا ہے:

"یارسول اللہ ﷺ مجھے آپ ﷺ سے محبت ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"دیکھو کیا کہتے ہو۔ جو مجھ سے محبت کرتا ہے فقر و فاقہ اس کی طرف اس طرح آتا ہے جس طرح ڈھلوان میں پانی بہتا ہے۔"

لیکن آپ ﷺ سے محبت کرنے والوں کو یہ سب کچھ منظور تھا۔ اس لیے کہ اگر آپ ﷺ ان کے ساتھ تھے تو ان کے لیے ہر دکھ راحت تھا، اور اگر آپ ﷺ ان سے ناراض ہوتے تو ان کے لیے ہر راحت دوزخ کی جلن تھی۔

آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ﷺ تھے، (اور ہیں، آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے اور نہ ہی آئے گا) لیکن پھر بھی اپنے ساتھیوں کی طرف سے بے نیاز اور غیر متعلق نہیں تھے۔ آپ ﷺ ایک ایک ساتھی کے بارے میں دریافت فرمایا کرتے تھے۔ ان کی نجی اور ذاتی مشکلات میں مشورے اور مدد دیا کرتے۔

نبی کریم ﷺ نے تحریک کو برپا کرنے اور چلانے میں صرف اپنی ذاتی مساعی تک ہی اسے محدود نہیں رکھا بلکہ ایک نئے نظام کو برپا کرنے والے داعی کی حیثیت سے تحریک کی خاطر زیادہ سے زیادہ افراد کار تیار کیے۔ ایک ایک ساتھی کی حفاظت کی۔ اس کی خامیوں کو دور کیا۔ اس میں خوبیوں کو ابھارا اسے ضروری تعلیم و تربیت سے سنوارا اور اس طرح اسے تحریک کے وسیع تر مفاد کی رہنمائی اور قیادت کے لیے تیار کیا۔

اس حکیمانہ طریقہ سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم جیسے بہترین صالح حکمران تیار ہوئے۔ اسی طریقے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسے بہترین معلمین اخلاق تیار ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسے مفسر اور محدث تیار ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے جرنیل تیار ہوئے اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے بے

لاگ اور بے لوث حق گو تیار ہوئے۔ غرض دنیا کے انسانی سرمائے کا بہترین اثاثہ نبی کریم ﷺ نے اپنی نگرانی اور طریق قیادت سے تیار کر دیا۔

اگر حضور ﷺ کے ساتھی ایک نئے نظام کو اٹھانے کی صلاحیتوں سے مالا مال نہ کر دیے گئے ہوتے، اور اس کے ہمہ پہلو رہنمائی اور قیادت کے اوصاف سے وہ متصف نہ ہوتے تو ایک عظیم نظریاتی اور انقلابی تحریک کو نظام کی صورت میں اور اس نظام کے معاشرے کی صورت میں ڈھالنا سخت دشوار کام ہوتا۔

نبی کریم ﷺ کی حکمت قیادت ہی کا یہ اعجاز ہے کہ چند برسوں میں حضور ﷺ نے بہترین صلاحیتوں کا حامل انسانی سرمایہ جمع اور تیار کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اس کی تیاری میں حضور ﷺ نے اپنی عظیم شخصیت کا جوہر ایک ایک ساتھی میں اتارنے کی سعی کی۔ انہیں سفر، حضر، مسجد، بازار، گھر اور پردیس میں ہر جگہ اور ہر حالت میں نئے نظام کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے تیار کیا، اور ان میں وہ اوصاف پیدا کیے جن اوصاف کے لوگ اتنی بڑی تعداد میں انسانی تاریخ نے اس سے پہلے کبھی یکجا نہ دیکھے تھے۔ یہ حکمت قیادت حضور ﷺ کا معجزہ ہے جو بے مثال ہے۔ حضور ﷺ کے بعد آج تک کوئی قائد اس نوعیت کی کامیابی تک نہیں پہنچ سکا، اس لیے وہ نتائج جو حضور اکرم ﷺ نے زمانے کی لوح پر درج فرمائے تھے، وہ نتائج دوبارہ برپا کرنا مشکل ہو گیا، اس لیے کہ کسی انقلاب کے لیے ایک انقلابی ٹیم کی تیاری کسی ایک داعی دعوت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فریضہ ہے، اور عموماً اس کی کمی یا خامی مطلوبہ نتائج نکلنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

درحقیقت حضور ﷺ دنیا میں وہ واحد اور حقیقی قائد انقلاب تھے، جنہوں نے دنیا کی تشکیل کا پرانا ڈھانچا یکسر بدل دیا اور دنیا کو سب کچھ نیا دیا۔ حضور ﷺ نے دنیا کو ایک نیا نظام، نیا معاشرہ، نیا ضابطہ اور نیا انسان دیا۔ ایسا نیا انسان جو اللہ کی خوشنودی کا

مظہر اور اس کی بندگی اور عبادت کی علامت ہے، جس کا نام ہی عبادت الٰہی کا نشان ہے، ظلمتوں، تاریکیوں اور گمراہیوں سے بھری ہوئی دنیا میں سرور کائنات ﷺ کا وجود ایک روشنی کا مینار ہے، اور قیادت کا بے مثال نمونہ ہے۔ اس لیے انسانیت کا قافلہ مجبور ہے کہ راہ راست کی تلاش میں اس مینار ہی سے روشنی کی بھیک طلب کرے۔ ہر چشم بصیرت کو غیر متمدن دنیا اپنی تمام ترکمزور خیالیوں کے باوجود حضور ﷺ کے عقب میں گم ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، اور نئی دنیا اور نیا نظام حضور ﷺ کے قدموں سے پھوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پرانی دنیا کو حضور ﷺ نے اپنے 23 سالہ جہاد زندگانی میں ہمیشہ کے لیے فتح کر دیا۔ علم و عقل کی روشنی میں دمادم مہذب اور متمدن ہونے والی دنیا کا افتتاح آپ ﷺ نے فرمایا، اور اسے ایک ایسا نظام عطا کیا جو ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، اور ہر زمانے کی انسانی ضرورتوں کا کفیل ہے۔ حضور ﷺ درحقیقت پوری انسانیت کے تاقیامت قائد ہیں جس کی کہیں مثال نہیں ہے۔

دنیا میں کچھ لوگوں نے ایسے کارنامے سرانجام دیے ہیں کہ ان کی یاد ذہن انسانی سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہے، اور تاریخ نے ان کے کارناموں کو اپنے دامن میں محفوظ کر لیا ہے۔ بڑے بڑے سالاروں کی یلغاروں، بڑے بڑے فاتحین کی فتوحات، بڑے بڑے حکیموں کی حکمتیں اور دانائیاں اور بڑے بڑے فلسفیوں کے فلسفے، بڑے بڑے علماء کے علم و ادب کے ذخائر اور بڑے بڑے سائنسدانوں کی ایجادات، وطن پرستوں کی سرفروشیاں اور قوم پرستوں کی قربانیاں تاریخ کے اوراق سے نکل نکل کر نسل انسانی کے سامنے آتی ہیں، اور اپنے لیے تحسین و آفرین کے تحفے طلب کرتی ہیں، لیکن اگر ان کے مجموعی کارناموں کو فلاح انسانیت کے عالمگیر ترازو میں تولا جائے تو ان کی بے وزنی اور بے وقعتی بہت نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ بڑے بڑے آمروں، فاتحوں اور سالاروں نے زیادہ سے زیادہ بس یہی کیا کہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ

انسانوں کو غلام بنایا۔ بڑے بڑے حکیموں کی حکمتیں اور داناؤں کی دانائیوں نے دنیا کے معاملات کی گتھیوں کو اور الجھا دیا لیکن سلجھا نہ سکے۔ بڑے بڑے فلاسفروں نے اس سے زیادہ کچھ نہ کیا کہ پہلو دار الفاظ کے انبار لگائے اور انسانوں کے گروہوں کو شک وتذبذب میں گرفتار کر کے انہیں جھگڑے کے لیے چھوڑ دیا۔ بڑے بڑے صناعوں اور سائنسدانوں نے جس قدر انسانیت کو فلزاتی سہولتیں مہیا کیں ان سے زیادہ ان کی ہلاکت اور تباہی کا باعث بن گئے۔

انبیائے کرام علیہم السلام جو دنیا میں وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے، ان کا پیغام ہدایت بھی انہی مخصوص اقوام کے لیے وقف تھا جن کی طرف وہ مبعوث ہو کر آئے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر ایک نے ایک ہی انداز میں گم کردہ راہ لوگوں کو مخاطب کیا:

''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔''

ہر نبی اور ہر داعی حق نے ہر زمانے میں انسانوں کو اس طرح خطاب کیا اور انہی لوگوں کو مخاطب کیا، جو ان کے گرد ان کی قوم یا قبیلے کی تشکیل میں پھیلے ہوئے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے تمام انسانوں کو بیک وقت مخاطب کیا۔ ان کو بھی جن تک آواز پہنچی۔ ان کو بھی جو ان ﷺ کے براہ راست مخاطب ہوئے، اور ان کو بھی جو اس دنیا میں قیامت تک آدم کی نسل سے پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ ان ﷺ کے خطاب اور ان ﷺ کے پیغام کے تمام انسان مساوی طور پر مخاطب ہیں۔

یا ایھا الناس ''اے لوگو'' یا ایھا الذین آمنوا ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔''

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا پیغام نسل انسانی کے ہر فرد کے لیے ہے۔ چاہے وہ زمین کے مغربی گوشے میں پیدا ہو یا مشرقی گوشے میں۔ چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دنیا میں بھیجتے ہوئے ہی پیغام دیا تھا کہ وہ کسی مخصوص گروہ کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو خدا سے ڈرانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

ترجمہ: ''اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔'' (الاحزاب: ۴۵،۴۶)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''کیا ہی بابرکت ذات ہے جس نے اپنے بندے پر الفرقان نازل کیا تا کہ وہ قوموں اور ملکوں ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام عالموں کی ضلالت کے لیے ڈرانے والا بنے۔''

نبی کریم ﷺ نے جو حجۃ الوداع کا آخری خطبہ دیا، وہ انسانیت کے لیے تمام غیر الٰہی بندھنوں سے آزادی کا منشور منفرد ہے۔ آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''جو یہاں موجود ہیں وہ اس پیغام کو ان تک پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا پیغام زمان و مکان کی حد بندیوں سے بالا ہے اور وہ ہر زمانے اور ہر نسل کے انسانوں کو بیک وقت ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔ آپ ﷺ پوری انسانیت کے قائد ہیں اور ساری دنیا کے قائد کے لیے جن صفات کا بنیادی طور پر ہونا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔

اس کی پہلی صفت یہ ہونی چاہیے کہ وہ کسی خاص قوم، نسل، خاندان، رنگ یا طبقے کی سربلندی کے لیے نہ اٹھا ہو، بلکہ مجموعی طور پر دنیا کے تمام انسانوں کی بھلائی کے لیے

اس نے کام کیا ہو، اس لیے کہ کسی مخصوص قوم یا نسل کی سربلندی چاہنے والا شخص اس کے اپنے لوگوں کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے قابل تقلید نہیں ہوسکتا۔ جو شخص صرف مشرق والوں کے لیے ساری خیر خواہی کا جذبہ لے کر اٹھا ہو، اس کی ذات سے مغرب والوں کو کیا دلچسپی ہوسکتی ہے اور انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ اسے اپنا قائد تسلیم کریں، بلکہ اگر وہ مشرق کے باشندوں کی ترقی کے لیے مغرب والوں کو گرانا چاہتا ہو تو انہیں اس سے نفرت ہوگی۔ اس لیے تمام اقوام کے انسان تو ایک شخص کو صرف اسی صورت میں اپنا قائد تسلیم کرسکتے ہیں کہ وہ کسی قوم کے فرد کو کسی دوسری قوم کے فرد پر کوئی ترجیح نہ دے۔

اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ اس قائد نے ایسے اصول پیش کیے ہوں جو دنیا کے تمام انسانوں کی نسل، قوم، رنگ اور ملکی عصبیت سے بالا تر ہو کر رہنمائی کرتے ہوں اور اس کی فلاح کا طریقہ بتاتے ہوں۔

اس کی تیسری صفت یہ ہونی چاہیے کہ اس کی رہنمائی کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ اس کا بنایا ہوا راستہ ہر زمانے کے انسانوں کے لیے مفید ترین راستہ ہو۔ اس لیے کہ جو قائد زمانے کی گردش کے ساتھ از کار رفتہ ہو جانے والا ہو اسے دنیا کا ہادی نہیں کہا جاسکتا۔ دنیا کا ہادی صرف وہی ہوسکتا ہے جس کی رہنمائی رہتی دنیا تک کارآمد ہو۔

اس کی چوتھی صفت یہ ہو کہ اس نے جو اصول بھی پیش کیے ہوں وہ محض کسی فلسفی کا فلسفہ نہ ہوں بلکہ ان اصولوں پر اس نے خود بھی حرف بحرف عمل کرکے دکھایا ہو۔ اس لیے کہ محض اصول پیش کر دینے والا زیادہ سے زیادہ ایک مفکر تو ہوسکتا ہے لیکن ایک رہنما اور ہادی نہیں ہوسکتا۔ ان شرائط کو پورا کیے بغیر کسی انسان کو ساری دنیا اپنا قائد تسلیم نہیں کرسکتی، اور جب ہم یہ شرائط لے کر تاریخ کا دامن کھنگالتے ہیں اور دنیا کے تمام رہنماؤں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کوئی ایسا انسان نظر

نہیں آتا جو ان شرائط پر پورا اترتا ہو۔ حضور ﷺ کی حیاتِ مقدسہ پر سرسری طور پر بھی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کسی خاندان، قوم، نسل، طبقے، گروہ اور ملک کے مفاد سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان ﷺ کی نگاہ میں تمام انسان بحیثیت انسان برابر تھے۔ ان ﷺ کی زندگی میں کوئی شائبہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جس سے معلوم ہو کہ انہیں کسی خاص قوم یا خاندان یا گروہ سے دلچسپی تھی۔ انہوں (ﷺ) نے قومی، ملی، خاندانی یا نسلی بڑائی یا کمتری کے تمام معیار توڑ کر تمام بنی نوع انسان کے سامنے ایک ہی معیار رکھ دیا تھا۔

ترجمہ: ”جو تم میں پرہیزگار ہے، اللہ کے نزدیک وہی معزز ہے۔“

اس پیمانے پر دنیا کے ہر خطے کا انسان خود کو جانچ سکتا ہے، اور جس کا وزن اس میں زیادہ نکلے گا وہی معزز ہے، چاہے وہ حبش کے بلال رضی اللہ عنہ ہوں یا روم کے صہیب رضی اللہ عنہ۔ اس لیے حضور ﷺ نے انسانوں میں امتیاز کے وہ پیمانے مقرر کیے جن کا تعلق انسان کے جغرافیائی یا نسلی وجود سے نہیں بلکہ اخلاقی وجود سے ہے، اور ان میں مساواتِ انسانی درجہ اول کا اصول ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

① ”اللہ کی ناراضگی سے بچو جو خدا کے غضب سے ڈرتا ہے وہ پورا پورا کامیاب ہوا۔“

② ”پرہیزگاری مراتب کو بلند کرتی ہے۔“

③ ”جاہلیت کے تمام مفاخر بند کیے جاتے ہیں۔“

نسل کی حد بندیاں ختم کرتے فرمایا:

① ”پرہیزگاری کے سوا کسی اور چیز کی بنا پر ایک شخص کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں، سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔“

۴ ''اے لوگو! نسب کے لیے کوئی فخر نہیں ہے، عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔''

رسول اللہ ﷺ پر اترنے والی ربانی ہدایت قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل بنادیا تاکہ تم آپس میں پہچانے جاؤ، مگر درحقیقت معزز تم میں وہی ہے جو پرہیزگار ہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''جس نے عصبیت کی طرف بلایا، وہ ہم میں سے نہیں۔''

اس طرح زمان ومکان اور قوم ووطن کی تمام حد بندیاں توڑ کر دنیا کے تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے اسلام کے ذریعے عالمی برادری بنانے کی دعوت دی۔

حضور ﷺ نے اپنی ساری قوت ان اصولوں میں صرف کر دی ہے، جو انسانوں کی فلاح کا بنیادی پتھر ہیں۔ کائنات کا نظام جس اصول پر قائم ہے، اس اصول پر انسانی زندگی کا سارا ڈھانچہ تعمیر کرنے کی جدوجہد میں حضور ﷺ نے زمانے بھر کی مصیبتیں جھیلیں۔ طائف کے بازاروں میں پتھر کھائے، جلاوطنی قبول کی۔ قوم نے جینا مشکل کر دیا، لالچ دیے، دھمکیاں دیں، نظر بند کیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے پر چاند بھی رکھ دو، تو میں اسلام سے باز نہ آؤں گا۔''

آپ ﷺ کے قتل کی سازشیں ہوئیں، لیکن آپ ﷺ نے جس اصول کی حقانیت کا نعرہ لگایا تھا، اور جس راہ کی طرف دنیا کو بلایا تھا۔ اس پر قائم رہے یہاں تک کہ فلاح انسانیت کے عالمگیر اصولوں کی جڑیں تاقیامت زمین میں گہری جمادیں۔

پھر آپ ﷺ نے 23 سال کی مختصری جدو جہد میں وہ معاشرہ قائم کر کے رکھ دیا جس کا خواب آپ ﷺ نے انسانیت کو دکھایا تھا۔ جس خواب کو پریشان کرنے کے لیے مشرکین اور دشمن اپنے سارے ہتھیار لے کر نکل آئے تھے۔ وہ ایک واقعہ کی صورت عالم وجود میں آگیا اور عالمگیر بین الانسانی مطلع پر پہلی بار طلوع ہوا۔ اس میں حبش کے بلال رضی اللہ عنہ، ایران کے سلمان رضی اللہ عنہ، یمن کے باذان رضی اللہ عنہ، اور روم کے صہیب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اس معاشرے میں غلام آقا بن گئے، اور جو ہمیشہ سے پست چلے آتے تھے وہ بلند ہو گئے، اور جن کا کام صرف اطاعت کرنا تھا، وہ افواج کے سالار ہو گئے اور جو حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، ان کے اعزاز میں بڑے بڑے معززین کو بھی رشک آنے لگا۔

حضور اکرم ﷺ کی جدو جہد سے معاشرہ خالص خدا کی بندگی کے اصولوں پر تعمیر ہوا تھا، جس میں داخلہ فیس صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ) تھی۔ اس طرح دنیا کے ہادی اور قائد نے ایک نئی تعمیر کی، اور اسے ایک نیا نظام اخلاق دیا۔ نیا نظام تعلیم، یا تمدن، نیا نظام معاشرت و معیشت اور نیا نظام حکومت دیا، اور ساری دنیا کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھایا کہ پاکیزہ اصولوں پر ایک صالح نظام کس کس طرح تعمیر ہو سکتا ہے اور وہ دنیا کو کتنی رحمت و برکت سے بھر سکتا ہے۔

مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام مدینہ کے لوگوں اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک معاہدے کا نتیجہ تھا۔ یہ دنیا کی پہلی ریاست تھی، جو معاہدہ عمرانی پر استوار ہوئی۔ اس ریاست کے وجود میں آنے کے بعد اس کی وسعت میں اس وقت معتد بہ اضافہ ہوا جب ہزاروں قبائل نے اس اسلامی ریاست کے ساتھ مخصوص شرائط کے ساتھ شمولیت اختیار کی اور اس معاہدے میں شامل ہو تے۔ مدینہ منورہ کی پہلی

اسلامی ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے عرب کی حالت بے حد وحشت ناک تھی۔ چاروں طرف ایک انتشار تھا، جس نے ایک ایسی صورت پیدا کر دی تھی کہ ہر شخص "آزاد" تھا اور خود کو ایک قبیلہ اور گروہ سمجھتا تھا۔ کوئی حکومت تھی نہ کوئی قانون۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی کسی سے لڑائی میں مصروف رہتا۔ چھوٹے سے بڑے پیمانے تک قبائل ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیلتے رہتے تھے، چونکہ کوئی حکومت تھی نہ قانون، اس لیے ہر شخص "آزاد" ہونے کے ناطے جب چاہتا کسی کو ہلاک کر دیتا۔

عربوں کی تاریخ کا یہ وہ دور تھا، جسے عرب مورخوں نے خود "دور جاہلیت" کا نام دیا ہے۔ اسلام کے ظہور سے پہلے کے اس دور کو بعض سیاسی مفکروں نے "فطری زمانے" کا نام دیا ہے اور اس کی یوں تعریف کی ہے:

"انہیں اپنی آزادی سے زیادہ کسی چیز سے محبت نہ تھی۔ اپنی آزادی کے لیے وہ جان پر کھیل جاتے تھے۔ ایک عرب بلاشبہ اپنے قبیلے اور سرداروں کے ساتھ منسلک تھا، لیکن وہ اپنی نجی آزادی کو ترک کر کے قبیلے اور اس کے بڑوں کی اندھی اطاعت کے لیے کبھی آمادہ نہ ہوتا، ہر شخص اپنا آقا اور حکمران تھا، اور دوسرے کی تحقیر کرنا اپنا منصب سمجھتا تھا۔ ان کا فلسفہ حیات کچھ ایسا تھا کہ اگر تم عاجزی سے ہم پر سرداری کرتے ہو تو پھر ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تمہیں اپنے سردار ہونے پر فخر ہے تو پھر اکیلے ہی اس فخر کو چاٹتے رہو۔"

اپنے اپنے قبائل کی آزادی کے لیے وہ اکثر حریف اور مخالف قبائل کے ساتھ لڑتے مرتے اور مارتے دکھائی دیتے تھے۔ ان کی تلواریں اکثر نیام سے باہر نکلی رہتی تھیں۔ ان کے نزدیک ہر مسئلے اور جھگڑے کا ایک ہی حل تھا...... تلوار۔

قدیم عربوں کا ایک ہی قانون تھا کہ ہر تنازعہ کا حل تلواروں کی مدد سے حل کیا جاسکتا ہے۔ خون کے جھگڑے، خون کا انتقام اور خون پر مبنی لڑائیاں، انہی کے گرد ان کی زندگیاں ختم ہو جاتی تھیں۔

اس زمانے کے عرب کی ذاتی وقار کی حس اتنی طاقتور اور نازک تھی کہ وہ ہر قسم کے اختیار و اقتدار کے خلاف بغاوت کر دیتا تھا۔

صحرا کے یہ فرزند، خانہ بدوش تھے، جنہیں مستحکم زندگی گزارنے کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ وہ ہر وقت نئے نئے سبزہ زاروں اور چراہ گاہوں کی تلاش میں پھرتے رہتے۔ حرکت ان کی زندگی کا معمول تھا۔ وہ لمحے کی لذت اندوزی کے قائل تھے، اور آنے والے دنوں کی منصوبہ بندی نہیں کرتے تھے۔ صحرا میں زندگی کی بنیادی وحدت ریاست یا حکومت نہیں بلکہ قبیلہ ہوتا تھا، نہ کسی عام سیاسی تنظیم و تربیت کا مطیع۔ ایک خانہ بدوش کے لیے سب سے اہم چیز اس کی اپنی آزادی ہوتی ہے۔ فرد کی آزادی کا گہرا ربط ایسی زندگی میں خاندان کی آزادی اور پھر قبیلے کی آزادی سے منسلک ہوتا ہے۔ مستحکم زندگی بسر کرنے والا اپنی زندگی کی آزادی کا کچھ جزو، نجی یا گروہی سطح پر امن، سلامتی اور خوشحالی لانے والے نظام کی نذر کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس خانہ بدوش جو مستحکم شہری زندگی سے نفور ہو وہ ایسی خوشحالی اور سلامتی کے لیے اپنی آزادی کا رتی بھر حصہ بھی قربان کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ وہ مکمل مساوات سے کم درجے کی کوئی چیز یا حیثیت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس کی مکمل مساوات کا تصور بھی ان خانہ بدوشوں میں بہت عجیب اور مختلف ہوتا ہے۔ وہ اپنے قبیلے میں بھی کسی کو اپنے سے برتر سمجھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا، اور پھر مساوات کا یہ تصور قبیلے کی سطح پر اس طرح اپنا اظہار کرتا ہے کہ وہ اپنے قبیلے کو بھی کسی دوسرے قبیلے کے مقابلے میں کمتر یا چھوٹا تسلیم کرنے کے لیے کسی وقت بھی تیار نہیں ہوتا۔

خانہ بدوشوں کے ان رسم و رواج اور خصائص نے ان چھوٹے قصبوں پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے تھے، جن میں مکہ، طائف اور یثرب شامل تھے۔ جو تجارتی راستوں پر پہاڑوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ اپنی تنظیم اور ترتیب کے اعتبار سے یہ قصبے صحرائی بھائیوں اور رشتے داروں کے مقابلے میں مستحکم زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ان کی آزادی میں کچھ کمی واقع ہوئی تھی، لیکن یہ تمام صحرائی قوانین ان کے گروہوں ،ان کے قبیلوں، اخلاقیات اور رسم و رواج میں تکمیلی حد تک موجود تھے۔ قصبات میں رہنے کے باوجود وہ ان سے روگردانی نہ کر سکتے تھے۔

جہاں تک مدینہ منورہ کا تعلق ہے، یہاں کے عوام کی حالت بھی بہتر تھی۔ وہ مسلسل ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی میں مصروف رہتے یا پھر اپنے پڑوسی، یہودیوں کے ساتھ ان کی لڑائی جاری رہتی۔ یہودیوں نے بنوکدنظر کے زمانے ہی سے مدینہ کی زرخیز زمینوں پر قبضہ کر رکھا تھا، جبکہ اوس اور خزرج قبائل مدینہ میں چوتھی صدی عیسوی کے لگ بھگ وارد ہوئے تھے۔ ابتداء میں تو وہ امن وسکون سے رہے، لیکن جب ان کی تعداد بڑھی اور طاقت میں اضافہ ہوا تو انہوں نے مدینہ کے یہودی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ان کے سردار ہلاک کر دیے۔ ان کی زرخیز زمینوں پر قبضہ کر لیا اور یہودی قبائل کو اپنا مطیع بنانے کی کوشش کی۔ یہ واقعات پانچویں صدی عیسوی کے اواخر کے ہیں۔

یوں ظہور اسلام سے پہلے دو قبائل اوس اور خزرج انتہائی خوفناک حالت میں مدینہ منورہ میں آباد تھے۔ یہ قبائل بھی مشتعل مزاج گروہوں میں تقسیم تھے، جو کسی بھی بات پر آتش زیر پا ہو کر لڑائی شروع کر دیتے۔ انسانی زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہ رہی تھی اور انسانوں کو ضمیر کی ہلکی سی خلش محسوس کیے بغیر ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ دشمنی کی اس آگ نے عربوں کو جھلسا رکھا تھا۔ اوس اور خزرج دونوں قبائل برسوں سے ایک

دوسرے کے جانی دشمن چلے آرہے تھے۔ وہ مدتوں سے خونی لڑائیوں میں الجھے ہوئے تھے۔ قرآن مجید میں ظہور اسلام سے پہلے کی حالت کا ذکر موجود ہے، اوس اور خزرج جہنم کی پاتال تک پہنچنے والے تھے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا۔

وہ قبائلی زندگی بسر کرتے تھے اور انفرادیت ان کی سیاسی زندگی کا ممتاز پہلو تھا۔ ہر قبیلے کا اپنا تشخص تھا، اور ان کا اپنا سردار ہوتا تھا۔ اس قبائلی تشکیل اور ہیئت کے باوجود ہر فرد اپنی زندگی اپنے انداز میں بسر کررہا تھا اور اپنی مکمل اور مطلق آزادی کا اظہار کرتا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے قبیلے کے رسم ورواج اور روایات کی پابندی کرتا تھا۔ اس کے باوجود اپنی شخصی آزادی کو کسی صورت میں بھی نظرانداز نہ کرتا تھا۔

اس قبائلی معاشرے میں ایک ”شیخ“ (سردار) ہوتا تھا، جسے انتظامی امور نمٹانے اور صلح صفائی کرانے کی حیثیت حاصل تھی، لیکن اس کے پاس اقتدار واختیار بالکل نہ تھا کہ وہ کسی بات پر عمل بھی کرا سکے۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ پورا عرب انارکی کا گہوارہ تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا دشمن، ایک گروہ دوسرے گروہ کی جان کے درپے اور ایک فرد دوسرے فرد کے خون کا پیاسا۔ یہ تھا وہ معاشرہ جس میں ہر شخص خود کو بالکل آزاد سمجھتے ہوئے کسی بھی چیز کو ہتھیانے اور قبضے میں لیتے ہوئے بالکل یہ نہ سوچتا تھا کہ یہ چیز کسی دوسرے کی ملکیت ہے۔ ان کا راسخ یقین تھا کہ اس سے برتر کوئی نہیں۔ کوئی نہیں جو اس سے باز پرس کرسکے۔ اس کے حقیقی معنی یہ نکلتے ہیں کہ وہ اپنی آزادی کو اتنا برتر اور مکمل سمجھتا تھا، اور اس کی آزادی کے حوالے سے اتنا خود غرض تھا کہ کسی دوسرے کی آزادی کو بھی خاطر میں نہ لاتا اور اس معاشرے میں کسی کو بھی یہ بھروسہ نہیں تھا کہ وہ کل زندہ بھی ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ رات کو اس پر کیسی جان لیوا مصیبت ٹوٹنے والی

ہے۔ یہ معاشرہ مکمل بے ایمانی اور غیر یقینی حالت میں اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے تھا۔ افراتفری، بدحواسی اور انارکی اس معاشرے کا خاصہ تھے۔ رات کی تاریکی میں اچانک ڈاکو اور چور کسی بھی قبیلے پر حملہ کر کے افراد کو قتل کر کے عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیتے۔ عرب کے قبائل کی زندگی کا یہ ایک جانا پہچانا اور معمول کا واقعہ تھا۔

وہ چھوٹے بڑے تنازعات پر ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے۔ یوں قتل و غارت گری کا ایک لامتناعی سلسلہ جاری رہتا۔ قتل و غارت کے علاوہ لوٹ مار اور دوسروں کے املاک کی تباہی بھی ان کی زندگی کے معمول میں شامل تھے۔

وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ ایک کی دوسرے کے ساتھ بن نہ آتی تھی، لیکن پھر چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ وہ جو جانی دشمن تھے وہ ایک ایسی اخوت اور محبت کا اظہار کرنے لگے جس کی مثال دنیا آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایسا کیونکر ہوا؟ اسے جاننے کے لیے اور اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں ذرا تفصیل سے دور جاہلیت کا مزید ذکر کرنا ہوگا۔ جب تک پس منظر اجاگر نہ ہو، تاریکی کا صحیح نقشہ نہ کھینچا جاسکے گا، اس وقت تک روشنی کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

دنیا کا کوئی خطہ بعثت نبوی ﷺ سے پہلے کے دور جاہلیت کا نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جیسی ابتری اور ضلالت اس خطے میں تھی، ایسی دنیا کے کسی گوشے میں دکھائی نہ دیتی۔ مورخین اور محققین نے اس سلسلے میں مختلف خطوں اور اقوام کے ساتھ عربوں کی دور جاہلیت کی زندگی کا موازنہ کیا ہے، لیکن وہ ایک ہی نتیجے تک پہنچے کہ اگرچہ دنیا کے دیگر خطوں میں بھی تاریخ کے مختلف ادوار میں فسق و فجور اور قتل و غارت گری کا انسانیت سوز عمل جاری رہا ہے، لیکن جس عروج تک یہ برائیاں عرب میں پہنچیں، ان کی مثال دنیا کا کوئی ملک اور خطہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہ اپنی جگہ سب سے بڑا معجزہ اور واقعہ ہے کہ رب دو جہاں نے اس خطے کو رشد و ہدایت، اخوت اور اپنے آخری دین کی تکمیل کے لیے منتخب فرمایا، جو اندھیروں اور فسق و فجور کی پاتال میں گر چکا تھا، جہاں انسانیت کی تذلیل کی انتہا ہو چکی تھی، جہاں نافرمانی اپنے کمال عروج پر تھی، جہاں پر بندہ اپنی ذات میں خدا بن بیٹھا تھا، جہاں کوئی محفوظ نہ تھا، جہاں کسی کو کسی سے کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہ تھی، جہاں کوئی باقاعدہ معاشرتی ڈھانچہ نہ تھا قانون کی حکومت تھی نہ اطاعت۔

مدینہ کے لوگ جو اوس اور خزرج قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ برس ہا برس کی خونی دشمنیوں، انتقام اور حسد پر مبنی لڑائیوں سے تھک چکے تھے حقیقت یہ ہے کہ تاریکی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ وہ اس تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے روشنی کی تلاش میں تھے۔ ان کی زندگیاں شب و روز کے خوف سے اجیرن ہو چکی تھیں۔ انہیں خود اپنی پستیوں اور ضلالتوں کا احساس ہونے لگا تھا وہ روشنی کی تلاش میں تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ وہ تاریکی کے زبردست اذیت ناک شکنجے سے نکلنے کے لیے روشنی تلاش کریں اور روشنی کی یہ کرن انہیں نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس میں دکھائی دی۔ وہ عرصے سے یہودیوں سے یہ سنتے چلے آرہے تھے کہ خدا کا فرستادہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، جو اللہ کی ایک حکومت قائم کرے گا، اور انہیں امن اور سلامتی کا تحفظ فراہم کرے گا۔ بنی اوس اور بنی خزرج کی باہمی لڑائیوں نے ان کی طاقت ختم کر دی تھی۔ حالات اب ان کے لیے ناسازگار ہو رہے تھے۔ یہودیوں نے پھر سے غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ مدینہ پر ان کی برتری قائم ہو چکی تھی۔ اوس اور خزرج اکثر یہودیوں سے کہا کرتے تھے:

> "خدا ان کے لیے پیغمبر بھیجنے والا ہے، جو ان کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دے گا۔"

یہ وہ حالات تھے، جب مدینہ کے کچھ افراد حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے اور وہاں نبی کریم ﷺ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اہل مدینہ میں سے ایک شخص بے اختیار پکار اٹھا:

''یہ تو وہی نبی ﷺ جن کے بارے میں ہمیں یہودی متنبہ کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہودی ان (ﷺ) تک پہنچیں، ہمیں ان (ﷺ) کا پیغام قبول کر لینا چاہیے۔''

مدینہ کے ان لوگوں نے آپ ﷺ کی تعلیمات پر ایمان لا کر اسلام قبول کرتے ہوئے کہا:

'ہم اپنے پیچھے اپنے لوگ چھوڑ آئے ہیں۔ شاید ہی کوئی قبیلہ اتنا بڑا ہو اور منتشر ہو جتنا کہ نفرت نے ہمارے قبیلے کو بانٹ رکھا ہے۔ شاید اللہ ہمیں آپ ﷺ کی وساطت سے متحد کر دے۔ ہم اپنے قبیلے والوں کے پاس واپس جاتے ہیں۔ انہیں آپ ﷺ کے دین کی دعوت دیتے ہیں، اور اگر اللہ نے ہمیں متحد کر دیا تو پھر دنیا میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی طاقتور نہ ہو گا۔''

اگلے برس حج کے سالانہ موقع پر مدینہ کے بارہ افراد (دس بنی خزرج کے اور دو بنی اوس کے) مکہ مکرمہ آئے، اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور اسلام لے آئے، انہوں نے جو حلف اٹھایا اس میں اقرار تھا:

''ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔ ہم زنا کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ ہم اپنی اولادوں کو ہلاک نہیں کریں گے۔ ہم اپنے پڑوسیوں سے دشمنی نہیں رکھیں گے۔ ہم حق اور سچ میں آپ ﷺ کی اطاعت کریں گے۔''

❀

اگلے برس مدینہ سے 73، افراد (جن میں دو خواتین بھی شامل تھیں) حج کے موقع پر مکہ آئے، اور نبی کریم ﷺ سے ملاقات کے بعد اسلام لے آئے، عباس ابن المطلب اس وقت وہاں موجود تھے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، عباس ابن المطلب نے کہا:

"اے خزرج اور اس کے لوگو! تم جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) کی ہمارے درمیان کیا حیثیت ہے۔ ہم آپ (ﷺ) کی اپنے لوگوں سے حفاظت کرتے رہے ہیں۔ محمد (ﷺ) اپنے لوگوں میں وقار کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ (ﷺ) تمہاری طرف آ سکتے ہیں۔ تمہارے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں کہ تم نے وفاداری کا جو حلف اٹھایا ہے، اس پر قائم رہو اور آپ (ﷺ) کے مخالفوں کے خلاف آپ (ﷺ) کو تحفظ دے سکو۔ اگر تم سوچتے ہو کہ جب آپ ﷺ تمہاری طرف آئیں گے تو تم ان (ﷺ) کے ساتھ غداری کرو گے تو پھر آپ (ﷺ) کو یہیں رہنے دو، کیونکہ آپ (ﷺ) جہاں ہیں محفوظ ہیں۔"

ہم نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ اب آپ ﷺ انتخاب کریں اور ارشاد فرمائیں کہ آپ ﷺ کیا پسند کرتے ہیں؟"

تب نبی کریم ﷺ نے گفتگو کا آغاز فرمایا۔ قرآن پاک کی آیات مقدسہ کی تلاوت کی اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

"میں چاہتا ہوں تم میری اس طرح حفاظت کرو، جس طرح تم اپنی

عورتوں اور بچوں کی کرتے ہو۔"

اہلِ مدینہ میں سے ایک نے ہاتھ اٹھایا اور کہا:

"قسم ہے اس کی جس نے آپ ﷺ کو سچ دے کر بھیجا، ہم آپ ﷺ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جیسے ہم اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔"

"ہم آپ ﷺ کے ساتھ پیمان باندھتے ہیں۔ ہم جنگجو ہیں جن کے قبضے میں ایسے ہتھیار ہیں جو باپ سے بیٹے کو ملے ہیں۔ ہم اپنے قول کے پکے ہیں۔"

تب عبدالہیثم نے بات کاٹی اور کہا:

"اے خدا کے رسول ﷺ، ہم دوسرے لوگوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ (اشارہ یہودیوں کی طرف تھا) اور اگر ہم جکڑ لیتے ہیں اور اللہ آپ ﷺ کو فتح سے ہمکنار کرتا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر واپس اپنے لوگوں میں چلے آئیں۔"

رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

"نہیں خون خون ہوتا ہے۔"

آپ ﷺ کا مفہوم یہ تھا کہ خونی انتقام اور اس کے متعلقات دونوں، فریقین کے لیے یکساں اور مشترکہ ہیں۔ میں تم میں سے ہوں تم میرے لیے ہو۔ میں ان کے خلاف لڑوں گا جو تمہارے خلاف لڑتے ہیں اور ان کے ساتھ امن سے رہوں گا جو تمہارے ساتھ امن سے رہتے ہیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اپنے آپ میں سے بارہ سرکردہ افراد پیش کرو جو لوگوں کے

امور کے انچارج بنائے جاسکیں۔"

انہوں نے 9 افراد بنی خزرج سے اور 3 افراد بنی اوس سے پیش کیے۔ تب نبی کریم ﷺ نے ان سرکردہ افراد سے خطاب فرمایا:

"تم اپنے لوگوں کی طرف سے ضامن ہو بالکل ایسے جیسے مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اس کے ذمہ دار تھے۔ جبکہ میں اپنے لوگوں کا ذمہ دار ہوں یعنی مسلمانوں کا۔"

انہوں نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

جب لوگوں نے اللہ پر اپنے ایمان کا اقرار کیا تو عباس ابن عبیداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے خزرج کے لوگو! کیا تمہیں اس امر کا پورا احساس ہے کہ تم آپ ﷺ کی حمایت کا اعلان کر کے کیا عہد کر رہے ہو؟ یہ تمہارے کالے اور سرخ لوگوں کے درمیان جنگ ہے۔ اگر تم یہ سوچتے ہو کہ تمہیں اپنی املاک کا نقصان ہوا، اور تمہارے معززین اور سردار ہلاک کیے گئے تو تم آپ ﷺ کو چھوڑ دو گے تو پھر ابھی آپ ﷺ کو چھوڑ دو، کیونکہ اگر تم نے بعد میں ایسا کیا تو پھر تمہیں اس دنیا اور آخرت میں ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر تم سوچتے ہو کہ تم اپنے حلف پر قائم رہو گے خواہ تمہاری املاک کو نقصان ہو اور تمہارے سردار ہلاک ہو جائیں تو پھر آپ ﷺ کو اپنے ساتھ رکھو، کیونکہ اللہ تمہیں اس دنیا اور آخرت میں اس کا صلہ دے گا۔"

انہوں نے اقرار کیا کہ وہ ان شرائط پر خدا کے رسول ﷺ کو قبول کرتے ہیں، اور پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ سے استفسار کیا:

''ہمیں آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے صلے میں کیا ملے گا۔''

نبی کریم ﷺ نے ان سے جنت کا وعدہ کیا۔ پھر انہوں نے کہا:

''آپ ﷺ اپنا دست مبارک آگے بڑھائیے۔''

اور آپ ﷺ نے ایسا کیا تو انہوں نے اپنے الفاظ پر بیعت کی۔ یہ دونوں حلف بالخصوص اہل مدینہ کے سرکردہ افراد کی بیعت کا دوسرا واقعہ، نبی کریم ﷺ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی بنیاد بنتا ہے۔ اہل مدینہ نے یہ حلف اٹھایا اور آپ ﷺ سے یہ پیمان باندھا کہ وہ آپ ﷺ کے دشمنوں کے خلاف آپ ﷺ کا دفاع کریں گے۔ حضرت عباس انصاری رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہاں بطور خاص قابل غور ہیں۔ انہوں نے کہا تھا:

''یہ سرخ اور کالے سب لوگوں کے خلاف جنگ ہے۔''

اس جملے سے حضرت عباس انصاری رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے وفد پر قطعی انداز میں ظاہر کر دیا تھا کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کی حمایت دراصل عرب کے نام بت پرستوں کے خلاف جنگ ہوگی۔ ان تمام امور اور تفصیلات کو جانتے ہوئے مدینہ کے سرکردہ افراد نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اطاعت اور مکمل حمایت کا حلف باندھا۔

یوں نبی کریم ﷺ بنی اوس اور خزرج دونوں قبائل کے سیاسی سربراہ یا مدینہ کی ریاست کے حکمران بن گئے، کیونکہ یہی دو قبائل تھے جو آبادی کے اعتبار سے مدینہ منورہ میں چھائے ہوئے تھے۔

اس حوالے سے مدینہ کی چھوٹی ریاست معروض وجود میں آئی۔ دراصل مدینہ کے عوام کے نمائندوں (اور بعد میں مدینہ کے عوام نے اجتماعی حلف و بیعت میں

اس معاہدے کی تصدیق کر دی) اور نبی کریم ﷺ کے مابین ایک عمرانی معاہدے کا نتیجہ تھی۔ اہل مدینہ نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا کہ وہ آپ ﷺ کو اپنا سربراہ تسلیم کر کے آپ ﷺ کی اطاعت کریں گے، اور آپ ﷺ کے دشمنوں کے خلاف آپ ﷺ کا اس طرح تحفظ کریں گے۔ جس طرح وہ اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس معاہدے کے تحت انہیں اس دنیا میں سلامتی اور آخرت میں کامیابی کی ضمانت دی گئی۔

یوں نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ نے آپ ﷺ کا استقبال اپنے سچے سربراہ اور رہنما کی حیثیت سے نہایت مسرت اور تپاک سے کیا۔

قبا کے گردونواح میں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر کھجور کے ایک درخت کی چھاؤں میں آرام فرمایا۔ لوگ گروہ در گروہ آنے لگے جو رسول اللہ ﷺ کو سلام کر رہے تھے، اور خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ لوگوں نے اپنے بہترین لباس پہن رکھے تھے اور اسلحہ سجا رکھا تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں نے دف سنبھال لیے اور ہر کوئی ایک ساتھ آواز ملا کر گانے لگا۔ ایسے خلوص کے ساتھ جس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی وہ ایک نظم گا رہے تھے:

> "ثنیات الوداع سے پورا چاند ہم پر جلوہ افروز ہو چکا ہے
> ہم جتنا شکر کریں کم ہے۔ جب تک کوئی اللہ کا شکر ادا کر سکتا ہے، شکر ادا کرے۔
> کیونکہ اللہ نے آپ ﷺ کو ہمارے درمیان بھیجا۔
> آپ ﷺ ہمارے لیے حکم لے کر آئے ہیں۔ جس کی ہمیشہ اطاعت کی جائے گی۔"

اہلِ مدینہ کا یہ جوش و خروش، مسرت کا بے پایاں اور پر خلوص اظہار جس کا

مظاہرہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی آمد پر کیا، دراصل اس معاہدے کی توثیق تھا جو اہل مدینہ کے سرکردہ افراد نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ گذشتہ برس مکہ مکرمہ میں کیا تھا۔

صحیح بخاری کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی آبادی کا ایک عام اور بڑا اجتماع جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والدین کے گھر طلب کیا اور ان سے خطاب فرمایا۔ آپ ﷺ نے جارحانہ لڑائی جھگڑوں اور دشمنیوں کو ختم کرنے کا مشورہ دیا اور بتایا کہ ان دشمنیوں اور جھگڑوں کے خاتمے کے بغیر مدینہ میں آئینی اور قانونی ریاست معرض وجود میں نہیں آسکتی، جو وفاق پر مشتمل ہوگی اور اس کی مختلف وحدتوں کو وسیع تر خود مختاری سونپی جائے گی۔

نجی انصاف پر پابندی لگا دی گئی۔ اپیل سننے کا حق صرف سربراہ ریاست کو تفویض کیا گیا، اور سربراہ حکومت ہی کو جنگ کرنے یا کسی سے امن وصلح کرنے کا مجاز ٹھہرایا گیا۔ شخصی آزادی اور سلامتی کی نئی حدود مقرر کی گئیں۔ خون بہا، قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیے اور دیگر امور پر آپ ﷺ نے ہدایات جاری فرمائیں۔ تفصیلات کے بیان کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان شقوں کو ضابطہ تحریر میں لانے کا حکم صادر فرمایا۔ یوں دنیا میں کسی ریاست کا پہلا تحریری دستور و معاہدہ عمرانی کے تحت معرض وجود میں آیا۔

نبی کریم ﷺ کو متفقہ طور پر اس ریاست کا سربراہ منتخب کیا گیا۔

یوں وہ معاہدہ جو مکہ میں ہوا تھا، اس کی توثیق مدینہ کے تمام شہریوں نے نبی کریم ﷺ کی مدینہ آمد کے بعد کردی، اور پھر اس معاہدے کے قواعد وضوابط ایک دستاویز کی صورت میں قلم بند کر لیے گئے جس کا نام "کتاب" رکھا گیا، جسے کسی بھی ریاست کا سب سے پہلا دستور قرار دیا جاتا ہے، اور یہ دستور مدینہ کے عوام اور خدا کے رسول ﷺ کے مابین معاہدہ عمرانی کا نتیجہ تھا۔

معاہدہ مدینہ کا مکمل متن شروع میں درج کر دیا گیا ہے۔ عام مورخین کے نزدیک یہ ایک دفاعی معاہدہ تھا، لیکن اگر بغور اس کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہ دنیا کی پہلی تاریخ ساز اور انقلاب انگیز دستاویز تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک ایسی نظریاتی اور فلاحی ریاست وجود میں آئی جس نے انسانی تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔ اس دستاویز میں ریاست کی بنیادی پالیسی، شہریوں کے حقوق و فرائض، ریاست کے دفاع و استحکام کا لائحہ عمل، خارجہ پالیسی کے اصول وضوابط اور ریاست کے وفاق میں شامل ہونے والے مختلف یونٹوں کے حدود کار تفصیل سے بیان کر دیے گئے۔

1ھ اس معاہدے کے رو سے یثرب (مدینہ) کی سرزمین پر جو منظم ریاست قائم ہوئی وہ صرف ڈیڑھ سو مربع میٹر پر محیط تھی، لیکن صرف دس سال میں اتنی وسیع ہوئی کہ 11ھ میں پندرہ لاکھ کلو میٹر سے وسیع و عریض علاقے پر اس کا علم لہرا رہا تھا۔ پورا علاقہ امن وسلامتی کا گہوارہ تھا۔ سب کے جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ تھے۔ پورا معاشرہ منظم تھا، باہمی اعتماد و اتحاد اور تعارف و رواداری کا دور دورہ تھا۔ معاشرے کی تمام قوتیں پورے جوش و خروش سے انسانیت کی تعمیر و فلاح کی مثبت سرگرمیوں میں مصروف تھیں۔

اس معاہدے کو مرتب کرنے والی اور اس کے لیے زمین ہموار کرنے والی ہستی وہ تھی، جسے اللہ کے آخری رسول ﷺ ہونے کا شرف حاصل تھا، جسے مبعوث ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ دین حق کو تمام ادیان باطل پر غالب کر دے اور ظلم و ستم کی چکیوں میں پسی ہوئی انسانیت کو امن وسلامتی اور عدل و انصاف کے نور سے منور کر دے۔

معاہدہ مدینہ اس مقدس ہستی کی خداداد بصیرت وصلاحیت، اس کی بے مثل

وفہم وفراست اور اس کی حیرت انگیز دور اندیشی اور معاملہ فہمی کا ایک عظیم شاہکار ہے، جس سے رہتی دنیا تک قائدین ومفکرین رہنمائی حاصل کر کے اپنی خدمت انسانیت کے پروگرام مرتب کر کے سرخروئی حاصل کرتے رہیں گے۔ معاہدہ مدینہ کوئی ایسی دستاویز نہیں جو کسی جنگجو فاتح کے کسی فرمان کے ذریعے وجود میں آئی ہو بلکہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد وہاں کے باشندے آپ ﷺ کی عظیم شخصیت اور آپ ﷺ کے بلند کردار سے متاثر ہو کر پوری خوشدلی سے اس بات پر آمادہ ہوئے کہ آپ ﷺ کی سربراہی میں ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جو سب کے لیے قابل قبول اور ان کی امن وسلامتی کا ضامن ہو۔ اس خوشدلانہ رضامندی کا اظہار کرنے والوں میں آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے والے بھی شامل تھے اور منکر بھی۔ یعنی مومنوں، مشرکوں اور یہودیوں نے متفقہ طور پر اپنا حق رائے دہی استعمال کر کے ایک عہد نامہ مرتب کیا، اور اس طرح ایک ایسی ریاست کی تشکیل عمل میں آئی جس کی بنیاد حق خود اختیاری پر تھی، اور یہی جمہوریت کی روح ہے، اور یہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے ایک ریاست کی انتظامیہ اپنے شہریوں کا دلی تعاون حاصل کر کے تعمیر معاشرہ اور استحکام ریاست کے بڑے بڑے منصوبوں پر بڑی خوش اسلوبی سے عملدرآمد کر سکتی ہے۔

❀

یثرب (مدینہ منورہ) جہاں یہ فلاحی مملکت قائم ہوئی، وہ مختلف قبائل اور گروہوں کا مسکن تھا۔ عرب کے دو مشہور قبائل اوس اور خزرج بارہ ذیلی شاخوں میں تقسیم تھے۔ اس طرف یہودی آبادی تھی جو دس گروہوں پر مشتمل تھی۔ ہر گروہ کا اپنا ایک داخلی نظام تھا۔ ان کے اپنے رسم ورواج تھے، وہ اپنے تنازعات اور مقدمات بھی خود ہی طے کرتے تھے۔ ہر جتھے کا اپنا سردار تھا جس کی قیادت میں وہ دوسرے قبیلوں سے باہمی معاملات نمٹاتے تھے۔ مدینہ کے یہودی اپنی عالی نسبی، اقتصادی تفوق اور علمی

برتری کی وجہ سے خود کو دوسروں کے مقابلے میں برتر تصور کرتے تھے۔ان مختلف قبائل اور گروہوں میں حلیفانہ تعلقات بھی تھے اور حریفانہ بھی۔ بہرحال مدینہ منورہ کی سرزمین مختلف النوع اور مختلف مفادات کے حامل انسانی گروہوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھی۔ یہ نبی برحق ﷺ کی سحر انگیز شخصیت تھی، جس نے اپنی حکمت عملی سے ان متضاد عناصر کو ایک مرکز پر جمع کرنے میں کامیابی حاصل کی۔اس سلسلے میں آپ ﷺ کی پالیسی کے اجزاء یہ تھے:

① معاہدے میں شریک ہر فریق کے علیحدہ وجود اور تشخص کو تسلیم کیا۔ چنانچہ انصار کے ہر قبیلے کے ہر گروہ کا نام بنام ذکر کر کے ان کے حقوق و فرائض متعین کیے۔

② ان کے سابقہ دستور کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی داخلی خودمختاری کو برقرار رکھا گیا۔

③ معاہدے میں شریک ہر فریق کو مساوی حیثیت دی گئی۔"

عہدنامہ کی اس روح نے ہر فریق کو مطمئن کر دیا، اور اس امر کی کوئی گنجائش نہ رہنے دی کہ کوئی گروہ یا کوئی قبیلہ احساس محرومی کی خوفناک دلدل میں پھنس کر نئی ریاست کے لیے ایک ناسور کی حیثیت اختیار کرے۔

نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر وفاقی طرز حکومت کا اسلوب اپنا کر دنیا کے سامنے اپنائیت و یگانگت پیدا کرنے کی روشن مثال قائم کر دی، اور مدینہ کا معاشرہ باہمی اختلاف اور تعصب و عداوت کے خطرناک جراثیم سے پاک ہو گیا۔اس طرح ہر شہری کو کھلے دل کے ساتھ وفاق کی مرکزی حکومت کی نگرانی و رہنمائی میں اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو بروئے کار لانے کے مواقع فراہم ہو گئے۔جس ریاست و سلطنت کو

اپنے شہریوں کا بھرپور اور پرخلوص تعاون حاصل ہو جائے پھر اس کی ترقی و توسیع میں دنیا کی کوئی طاقت حائل نہیں ہو سکتی۔

تاریخ و سیاست کا ایک طالب علم یہ بات دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی جدید ریاست ایسے معاشرے میں قائم ہوئی جس کے افراد کی اکثریت ابھی غیر مسلم تھی، اور یہ غیر مسلم اعتقادی طور پر ہادی انسانیت ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کے قائل نہ تھے، لیکن قانونی اور سیاسی طور پر انہوں نے آپ ﷺ کو خدا کا رسول ﷺ بھی تسلیم کیا اور آپ ﷺ کے پیش کردہ نظام حیات کی صداقت و برتری کا بخوشی اعتراف بھی کیا۔ چنانچہ اس عہدنامہ کے شروع ہی میں یہ درج کر دیا گیا کہ یہ تحریری معاہدہ محمد (ﷺ) کی طرف سے ہے جو اللہ کے نبی ﷺ ہیں۔ اس طرح اس کی دفعہ 24 میں یہ بات طے کر لی گئی کہ اس معاہدے میں شریک فریقین کے درمیان اختلاف اور تنازعہ کی صورت میں آخری فیصلہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہوگا، اور اس کی دفعہ 37 کے ذریعے حضور ﷺ کی سیاسی اور انتظامی قیادت کو یہ کہہ کر کھلے دل سے تسلیم کیا گیا کہ اس عہد میں شریک کوئی فریق آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی سے جنگ کرنے یا جنگ کے ارادے سے نکلنے کا مجاز نہیں۔ نظریے کے اس تعین نے ریاست و حکومت کے تمام شعبوں کی کارروائیوں میں یکسوئی و یک جہتی کی فضاء پیدا کر دی، جس کی وجہ سے ترقی کی راہیں کشادہ ہوئیں، اور اس نظریاتی مملکت کے کارکنوں کو اپنے انقلاب آفریں پیغام سے پورے ملک بلکہ پوری نوع انسانی کو عملی طور پر متعارف کرانے کے موقع فراہم ہوئے، کیونکہ یہ نظریہ انسانی فطرت کے تقاضوں اور ضرورتوں سے پوری طرح ہم آہنگ تھا، اس لیے لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوتے چلے گئے۔

کیونکہ یہ ایک نظریاتی مملکت تھی، اس لیے معاہدے کی دفعہ 20 میں واضح طور پر اعلان کیا گیا کہ ایمان وتقویٰ کی روش اپنانے والے اشخاص ہی سب سے اچھے ہیں، اور وہی صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔ اسی طرح اس دستاویز میں عقیدہ توحید پر ایمان نہ رکھنے اور معبودانِ باطل کی پرستش کرنے والے افراد کے لیے مشرک کا لفظ استعمال کیا گیا اور انہوں نے سیاسی اور قانونی طور پر اس حیثیت کو تسلیم بھی کیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے فوراً بعد ہی عقیدہ توحید کی عملی برکات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے وہ اپنی مشرکانہ تہذیب اور اس کے منفی اثرات سے ذہنی طور پر غیر مطمئن ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ یہ مشرک جلد ہی اپنے آبائی عقائد اور مشرکانہ نظام زندگی سے تائب ہو کر اسلام وایمان اور توحید وصداقت کے حیات آفرین نظام سے وابستہ ہو گئے، اور پھر انہوں نے اپنی پوری توانائیاں اس کی سربلندی کے لیے وقف کر دیں۔

دنیا کی تاریخ ایسے ہولناک اور اذیت ناک واقعات سے بھری پڑی ہے، جو ایک عقیدہ اور مذہب پر ایمان رکھنے والی حکومتوں کے ہاتھوں عقیدہ رکھنے والوں کے ساتھ ظالمانہ، سفاکانہ اور بہیمانہ طرز عمل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئے ہیں، مگر مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی یہ نظریاتی اور اسلامی ریاست اپنی اسلام دوستی اور امن پسندی میں دنیا کی ایک نرالی ریاست تھی۔ اس مملکت کا سربراہ اللہ کی طرف سے ایک دین کا مبلغ اور معلم تھا، اور وہ اس کام پر مامور تھا کہ خدا کے اس دین کو عملی طور پر نافذ کر کے انسانیت کو فلاح وکامیابی کی راہ پر گامزن کرے، مگر اس محسن انسانیت ﷺ نے اس اعلیٰ وارفع مقصد کے حصول کے لیے جبر وتشدد کے بجائے تزکیہ وتفہیم، خیر خواہی وہمدردی، حسن خلق اور تالیف قلوب کی قلب وذہن کو منور کر لینے والی حکمت عملی کو اپنا شعار

بنایا۔ اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس عہد نامے میں شامل تمام غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کو برقرار رکھا گیا، اور انہیں اس امر کی اجازت دی گئی کہ جب تک ان کے دل اسلام کی حقانیت کے نور سے منور نہ ہوں، وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں، اور اپنے عقیدے کے مطابق اپنے مذہبی مراسم نجام دیتے رہیں۔ عقیدہ مذہب کے اختلاف کے باوجود انہیں شہریت کے تمام حقوق حاصل ہوں گے۔ ان کے جان و مال اور آبرو کی پوری طرح حفاظت کی جائے گی۔ چنانچہ معاہدہ مدینہ کی دفعہ 27 میں کہا گیا ہے کہ یہودی اپنے دین پر قائم رہنے کے مجاز ہیں اور مسلمان اپنے دین پر۔ اس کی دفعہ 17 میں اعلان کیا گیا ہے کہ جو یہودی اس معاہدے میں شریک ہوں گے، انہیں برابر کی حیثیت حاصل ہوگی۔ ریاست کی اس مسلمہ حکمت عملی کے تحت جب مملکت مدینہ کے سربراہ نے مختلف غیر مسلم قبائل سے معاہدے کیے تو ان کی مذہبی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں پورے تحفظ کا یقین دلایا۔

مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی ریاست کی ایسے غیر مسلموں کے لیے جو جنگ و جدال کے بجائے امن اور آشتی کی روش اپنانے کے خواہاں تھے، یہ فراخدلانہ حکمت عملی اور یہ دلوں کو فتح کر لینے والی پالیسی اس کے استحکام اور اس کی توسیع کا اہم اور موثر سبب بنی، جس سے دلوں کے تعصب و عناد اور ہٹ دھرمی اور ضد کے زنگ صاف کرنے میں بڑی مدد ملی، اور پورے عرب میں اس کے لیے ہمدردی و خیر خواہی اور امن پسندی و صلح جوئی کے جذبات موجزن ہوئے۔

مکہ سے قریشی مسلمان اپنا گھر بار اور کاروبار چھوڑ کر مدینہ میں پناہ گزین کی حیثیت سے آئے تھے، لیکن معاہدہ مدینہ کی دفعہ 3 کے ذریعے ان کے مستقل وجود کو تسلیم کیا گیا، اور اس طرح وہ اب مدینہ کی ریاست کے مستقل شہری قرار پائے۔

مہاجرین کی اس حیثیت کے تسلیم ہو جانے سے جہاں اس ریاست کو ایک تجربہ کار عسکری قوت حاصل ہوئی، وہیں اسے عدل و انصاف پر مبنی معاشی نظام کو پروان چڑھانے میں ایک انقلاب آفرین مدد ملی۔

اسلام سے پہلے مدینہ کے انصار زراعت پیشہ تھے، لیکن اندرونی و بیرونی تجارت پر مکمل کنٹرول یہودیوں کو حاصل تھا۔ وہ فصل کے موقع پر زمینداروں کی پیداوار سستے داموں خرید کر لیتے اور پھر بعد میں مہنگے داموں انہی کے ہاتھوں فروخت کرتے۔ یہ زراعت پیشہ افراد ضرورت کے وقت انہی سے بھاری شرح سود پر قرض لینے پر مجبور تھے۔ یہودی اپنی فطرت، اپنے مزاج اور اپنی طبیعت کے لحاظ سے نہایت سخت، درشت اور بدلحاظ واقع ہوئے تھے۔ ان کے اس طرز عمل، ان کی معاشی لوٹ کھسوٹ اور ان کی ذخیرہ اندوزی، چور بازاری اور گراں فروشی کے اس استحصالی نظام کے بوجھ تلے مدینہ منورہ اور اس کے گردونواح کا پورا معاشرہ بری طرح کراہ رہا تھا۔ انہی اندوہناک حالت میں مدینہ منورہ میں مہاجرین کی آمد خیر و برکت اور رحمت کے نزول کا موجب بن گئی۔ مکہ سے آنے والے یہ مہاجرین تجارت پیشہ تھے۔ گو ان میں اکثر اس حالت میں آئے تھے کہ وہ صرف اپنے تن کے کپڑے ساتھ لا سکے، لیکن پھر بھی کچھ لوگ اپنا نقد اثاثہ اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہو گئے۔ ساتھ ہی ان کے تجارتی تعلقات اندرون ملک اور بیرون ملک بڑے وسیع تھے، اور تجارتی منڈیوں میں ان کی ساکھ قائم تھی۔ جب انہیں معاہدۂ مدینہ کی رُو سے مدینہ میں مستقل شہریت کے حقوق مل گئے تو انہوں نے پوری دلجمعی اور یکسوئی سے اپنے ذریعہ معاش یعنی تجارت کی طرف توجہ دی۔ نبی کریم ﷺ کے فیض تربیت کی وجہ سے اب ان کا کاروبار ہر قسم کے استحصالی حربوں اور لوٹ مار کے ہتھکنڈوں سے پاک ہو چکا تھا۔ ان کی تجارت میں نہ ذخیرہ اندوزی تھی اور نہ ظالمانہ نفع خوری۔ ان کے لین دین کے

معاملات میں دوسروں کی ضرورتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے بجائے ضرورت مندوں کو سہارا دینے کی پالیسی کارفرما تھی۔ اگرچہ قانونی طور پر سودی لین دین ابھی ممنوع نہیں ہوا تھا، لیکن ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو جانے کی وجہ سے خدا خوفی اور انسان دوستی کا جذبہ بیکراں ان کے رگ و ریشے میں اس طرح سرایت کر چکا تھا کہ انہوں نے سودی قرضوں کے بجائے قرض حسنہ کا چلن عام کر دیا۔ جس کے نتیجے میں یہاں کے خزاں گزیدہ معیشت کے نخلستانوں اور گلستانوں میں فصل بہار آ گئی، اور یہاں کی پژمردہ اقتصادی قوتیں پھر سے مستعد و توانا ہو کر ایک فلاحی معاشی نظام کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہو گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب اردگرد کے قبائل نے اپنی آنکھوں سے اس نظام کے فیوض و برکات کا مشاہدہ کیا تو عقائد کے اختلاف کے باوجود اس نئی ریاست کو خیر و برکت کا سرچشمہ سمجھتے ہوئے دل سے اس کے گرویدہ و فریفتہ ہو گئے، اور اس سے اپنے حلیفانہ تعلقات قائم کرنے میں اپنی معاشی و معاشرتی عاقبت اور اپنی مادی فلاح سمجھنے لگے۔

یہود کے تمام قبائل اس معاہدے میں شریک ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں نے ان کی توقیر بھی کی اور احترام بھی۔ ریاست کے شہری کی حیثیت سے ان کے تمام حقوق کا تحفظ بھی کیا اور خصوصی مراعات سے نوازا بھی، لیکن مہاجرین کو جب میدان تجارت میں اپنا حریف پایا، اور ان کی موجودگی سے اپنے جابرانہ استحصالی نظام کی بنیادوں کو متزلزل ہوتے دیکھا تو وہ اپنی اصلاح کے بجائے اس نئی مملکت کے وجود ہی کے دشمن ہو گئے۔ اپنی اس دشمنی کے جذبہ کے پیش نظر انہوں نے عہد و معاہدہ کی تمام پابندیوں کو بالائے طاق رکھنے کا عملی مظاہرہ کر کے اپنے لیے تباہی و بربادی اور نکبت و ذلت کو مقدر کر لیا۔

کسی معاشرے میں اگر ظلم و جور کا رواج عام ہو جائے، اور مظلوم کے لیے اپنا حق حاصل کرنے کی کوئی کھلی راہ نہ رہے تو اس میں امن و امان کا قیام ناممکن ہو جاتا ہے۔ پھر وہاں کی معیشت و تجارت اور تہذیب و معاشرت تباہی و بربادی کی نذر ہو کر رہ جاتی ہے، اس بدیہی حقیقت سے اس ہستی سے زیادہ اور کون باخبر ہو سکتا تھا جسے اس کائنات کے خالق و مالک نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے بلند ترین منصب پر فائز کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس ہادی اعظم ﷺ نے مدینہ میں ایک نظریاتی معاشرے کی تشکیل کی تو پالیسی کے طور پر اس امر کو یقینی بنانے کے لیے ظلم و زیادتی کی کوئی صورت اس میں جگہ نہ پا سکے، نہایت مناسب اور اثر انگیز تدابیر اختیار کیں۔ یہ بات درست ہے کہ اس وقت تک ظلم کی مختلف صورتوں کی قانونی سزائیں خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوئی تھیں، لیکن اس وقت کا عرب معاشرہ ظلم کے تصور سے واقف تھا، اور ان کے دل اور ان کے ذہن اس سے نفرت بھی کرتے تھے۔ بعض مظالم اور زیادتیوں کی سزائیں بھی ان کے ہاں مروج تھیں۔ گو ان کے اجزاء میں مختلف وجوہات کی بناء پر بے اعتدالیاں راہ پا چکی تھیں، جن کی اصلاح کے لیے اسلام کا پورا ضابطہ فوجداری مرتب ہوا، لیکن مدینہ منورہ کی اس ریاست کی تشکیل کے وقت ظلم کے اسی تصور کو جو اس وقت رائج تھا، بنیاد بنا کر اس کے انسداد کی طرف توجہ دی گئی۔

عرب جیسے ملک میں جہاں خونریزی اور قتل و غارت عام تھی، انسانی جان کے احترام کو معاہدہ مدینہ میں قانونی طور پر تمام فریقین نے تسلیم کیا۔ جان کے بدلے جان، کے اصول کو آئینی حیثیت دی گئی، اور معاہدے میں شریک ہر قبیلے اور ہر گروہ کو اس کا پابند کیا گیا کہ خون بہا کی ادائیگی کے سلسلے میں قاتل کا پورا قبیلہ مشترکہ طور پر ذمہ دار ہوگا۔ اس مشترکہ ذمہ داری نے ہر شخص کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے ساتھی کو اس ظلم کے ارتکاب

سے روکنے کی اپنی امکانی کوشش کرے۔

اس طرح اس دستاویز کی دفعہ 14 میں تمام اہل ایمان کو اس امر کا پابند بنایا گیا کہ وہ ایسے شخص کی مخالفت پوری طرح متحد ہو کر کریں گے، جو سرکشی، ظلم، زیادتی اور گناہ کا مرتکب ہو۔ ایسے شخص کے خلاف تمام اہل ایمان کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہو۔

1ھ میں قائم ہونے والی مدینہ کی نئی طرز کی جدید ریاست کی حیران کن ترقی و استحکام کے دیگر عوامل و محرکات کے علاوہ سب سے اہم عامل اور سب سے طاقتور محرک یہ ہے کہ اس ریاست اور حکومت نے اس نظریے پر ایمان رکھنے والوں (جس پر اس کی بنیاد قائم تھی) میں خود اعتمادی، باہمی اتحاد اور باہمی خیر خواہی و تعاون کی ایسی بے مثل اور ایسی بے نظیر فضا پیدا کر دی، جس کی بدولت ان میں ہر خوف اور ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر اپنے بلند نصب العین اور اپنے اعلیٰ مشن کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے کی بے پناہ قوت و جرأت پیدا کر دی۔ چنانچہ معاہدہ مدینہ کی تحریری دستاویز میں ہر مسلمان قبیلے اور گروہ پر لازمی قرار دیا گیا کہ اگر ان کا کوئی شخص جنگ میں قیدی بن جائے تو پورا قبیلہ اس کا فدیہ ادا کر کے اسے رہائی دلائے گا۔ ہر مسلمان کی عزت کو بڑھانے اور اس میں خود اعتمادی کی روح پیدا کرنے کی خاطر دفعہ 16 میں کہا گیا کہ اہل اسلام کا ایک معمولی درجے کا فرد بھی کسی شخص کو پناہ دے کر پابندی عائد کر سکے گا، کیونکہ اہل ایمان دوسروں کے مقابلے میں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

''اہل ایمان میں سے اگر کوئی شخص مفلس اور قلاش ہے یا قرض کے بوجھ تلے پوری طرح دبا ہوا ہے تو اس کے ایمان دار ساتھی ایسے شخص کو لازمی طور پر مدد دیں گے، تاکہ اس کے حصے کا خون

بہایافدیہ ادا ہوسکے۔"

عورت کی عزت وعصمت دنیائے انسانیت کی سب سے قیمتی، سب سے گراں بلکہ انمول متاع ہے۔ ہر انسانی معاشرے نے اس کی اہمیت اور اس کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اس کی حفاظت کے اپنی حد تک پورے پورے انتظامات کیے ہیں۔عرب کے معاشرے میں قبیلے کا اجتماعی نظام ہی اس نازک آبگینے کی حفاظت و حصانت کا ذمہ دار تھا۔ چنانچہ آقائے مدینہ ﷺ نے بھی اس صنف نازک کی عزت و آبرو کا معروف اور مروج دستور برقرار رکھتے ہوئے معاہدے کی دفعہ 45 میں طے کیا کہ کسی عورت کو اس کے خاندان والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جاسکے گی۔

❀

معاہدہ مدینہ کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس کی بنیاد پر قائم ہونے والی منظم ریاست کے تمام شہریوں نے عقیدہ و مذہب اور قبائلی وگروہی اختلاف کے باوجود رضاکارانہ طور پر ایسی دفاعی حکمت عملی پر کاربند رہنے کا فیصلہ کیا جس کی موجودگی میں دشمنوں کو اپنے اثر و رسوخ اور سیاسی و مذہبی قیادت کے باوجود ان کے حصار میں شگاف ڈالنے میں ناکامی ہوئی۔اس ریاست کے قیام کے وقت اس کی سب سے بڑی حریف قوت قریش مکہ تھی، جن کا اثر ونفوذ عرب کے تمام قبائل میں موجود تھا۔مدینہ کے بعض گروہوں کے ساتھ ان کے خونی اور تجارتی تعلقات بھی تھے،لیکن ان تمام سہولیات کے باوجود وہ اس معاہدے میں شریک کسی فریق کو بغاوت وغداری پر آمادہ کر کے ان کی حمایت حاصل کرنے اور ریاست کے قائم کردہ امن وامان اور نظم وضبط پر شب خون مارنے پر کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکے۔

اس دستاویز نے تمام فریقین میں باہمی اعتماد اور باہمی تعاون ونصرت کی جو

روح پرور فضا پیدا کر دی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عرب کے اس ملک میں جہاں پورا معاشرہ شرک و بت پرستی، ظلم اور بے انصافی، لاقانونیت و بدنظمی اور گروہی عصبیت کے تند و تیز طوفانوں میں گھرا ہوا تھا۔ایک چھوٹی سی ریاست کو جو توحید و خدا پرستی، عدل و انصاف، آئین و قانون کی بالا دستی اور انسانی مساوات کے اصولوں کی علمبردار تھی اپنی بنیادیں مستحکم کرنے، دشمنوں کے جارحانہ حملوں کی کامیابی سے مدافعت کرنے اور اپنے رہنما اصولوں کی روشنی میں انسانی معاشرے کی تعمیر کے مواقع میسر آئے۔

❀

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت مکہ مکرمہ کے پورے علاقے کو حرم قرار دے دیا تھا، یعنی ایسا مقام جو سب کے لیے قابل احترام ہے۔اس میں داخل ہونے والا ہر شخص مامون ہے، اور اس میں ہر قسم کی خونریزی اور قتل و غارت حرام ہے۔ یہاں تک کہ اس کی حدود میں کسی چرند کا شکار بھی ممنوع ہے۔ اسی طرح اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ نے اپنے جد امجد کی تقلید میں مدینہ کو بھی حرم قرار دے دیا۔معاہدے کے تمام شرکاء نے تو اپنے شہر کی اس حیثیت کو دل سے تسلیم کر کے اسے امن و سلامتی کا گہوارہ بنا دیا لیکن مدینہ کی حکومت کی سب سے مضبوط، منظم اور طاقتور حریف قوت یعنی قریش کو بھی عملاً اس کی حیثیت کو تسلیم کرنا پڑا، کیونکہ اگر وہ مدینہ کی اس حرمت کا انکار کر کے وہاں امن و امان کو تباہ کرنے کے لیے فوجی قوت استعمال کرتے تو انہیں اپنے شہر مکہ کی حرمت قائم رکھنا سخت دشوار تھا، اور یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھے، شہر مکہ کے حرم ہونے کی وجہ ہی سے ان کی تجارت اور ان کی معیشت کی ترقی کا دارومدار تھا، جو ان کی خوشحالی اور فارغ البالی کی ضامن تھی۔

معاہدے کی دفعہ 43 کے ذریعے مدینہ کو حرم محترم قرار دینے کے اس اعلان نے مدینہ یعنی اسلامی حکومت کے دارالخلافہ کو قریش اور دیگر قبائل کے براہ

راست حملوں سے کافی حد تک محفوظ کر دیا، اور یہی وجہ ہے کہ قریش کو جب تک یہ یقین نہ ہوگیا کہ مدینہ کی ریاست ان کے تجارتی راستوں کو بند کر کے ان کی تجارت تباہ و برباد کرنے کی پوزیشن میں ہے یا ایسی پوزیشن حاصل کر سکتی ہے، وہ اپنی فوج قوت جمع کر کے مدینہ کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ کر سکے۔

مملکت مدینہ کے سربراہ کی سیاسی بصیرت اور عسکری قابلیت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ انہوں نے یہودیوں کو بھی اس ریاست کے دفاع کی ذمہ داری میں برابر کا شریک کر لیا، اور یہودیوں نے یہ شرکت کسی جبر کے نتیجے میں نہیں بلکہ اپنی رضا مندی سے قبول کی۔ چنانچہ معاہدہ مدینہ کی دفعہ 40 کے تحت مسلمانوں کی طرح انہوں نے بھی عہد کیا کہ بیرونی حملے کی صورت میں معاہدے میں شریک دوسرے فریقین کی مدد کریں گے۔ آپس میں مشورہ کریں گے اور ایک دوسرے کی خیر خواہی اور وفا شعاری کا رویہ اختیار کریں گے اور عہد شکنی سے اجتناب کریں گے۔ نیز دفعہ 42 میں اس بات کا بھی اقرار کیا کہ دفاعی جنگ کی صورت میں وہ اپنے جنگی مصارف خود برداشت کریں گے۔

اس معاہدے کو مرتب کرنے والی محترم ہستی براہ راست اللہ کی ہدایت اور رہنمائی کے نور سے فیضیاب تھی۔ اس لیے اس محترم ہستی نے اس میں انسانی گروہوں کی نفسیات اور ان کے فطری تقاضوں کے پیش نظر اس مشترکہ دفاع کی سکیم میں ایسے نکات رکھے جس کی وجہ سے ان پر عمل کرنا سب کے لیے آسان اور سہل ہوگیا۔ چنانچہ معاہدہ کی دفعہ 50 کی رو سے طے پایا کہ معاہدے میں شریک ہر شخص اور ہر گروہ پر مدینہ کے اس حصے کے دفاع کی ذمہ داری ہوگی جو اس کے بالمقابل ہوگا۔ مزید برآں

دفعہ 19 کے تحت اس بات کا بھی اعلان کیا گیا کہ جنگ میں شریک تمام گروہوں کو باری باری آرام کا موقع دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ اور مکہ کے مسلمان اس حالت میں ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے، جبکہ قریش مکہ ان کے خون کے پیاسے بن چکے تھے۔ قریش کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ان کے معبودانِ باطل کا انکار کر کے ایک خدائے واحد کی عبادت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے مدینہ میں امن و عافیت سے وقت گزاریں، اس لیے ہر لمحہ اس امر کا قوی امکان تھا کہ وہ مدینہ میں موجود اپنے ہم عقیدہ اور ہم مشرب عناصر سے ساز باز کر کے مسلمانوں کے لیے ہولناک خطرے کی صورت پیدا کر دیں۔ اس خطرے کے سدباب کے لیے معاہدہ مدینہ کی دفعہ 47 کے ذریعے اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ اس جدید مملکت کی حدود میں نہ قریش کو پناہ دی جائے گی، اور نہ اس کے کسی معاون کو۔ اس کے علاوہ اسی دستاویز کی دفعہ 22 کی رو سے معاہدے میں شریک مشرکوں کو اس امر کا پابند کیا گیا کہ وہ نہ تو قریش کے مال و جان کو کسی صورت میں پناہ دیں گے اور نہ اس سلسلے میں کسی مسلمان کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی کریں گے۔

قریش کے فوری خطرے کے سدباب کی ان تدابیر نے اس ریاست کے قائد کو اس امر کا موقع بہم پہنچایا تاکہ وہ زندگی کے نئے حیات آفریں نظام کی تبلیغ و ترویج اور نئی نظریاتی ریاست کی توسیع اور ترقی کے موثر اور دور رس نتائج کے حامل اقدامات روبہ عمل میں لائیں۔

جزیرہ نمائے عرب اسلام سے پہلے کبھی ایک مرکزی اقتدار کے تحت نہیں ہو سکا تھا، اور یہ ایک انوکھا واقعہ تھا کہ پورے ملک نے رسول اللہ ﷺ کو ایک روحانی

اور سیاسی سردار تسلیم کرلیا جس ملک میں نراج کا دور دورہ ہو، وہاں دس سال کی مدت میں ایک منظم مرکزی حکومت اور مملکت کا قیام رسول اللہ ﷺ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

اسلام میں حکمران کا فرض شریعت کا نفاذ اور احکام الٰہی پر عملدرآمد کرانا ہے۔ اس لیے حکمران کی اطاعت کو بے حد اہمیت دی گئی ہے اور تاکید فرمائی گئی ہے:

''اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔'' (القرآن)

قرآن مجید میں حکم ہے کہ حکمران اپنے فیصلے مشورہ لے کر کیا کرے اور جب عزم کرلے تو پھر خدا پر توکل کرے۔ یعنی ایک طرف یہ پابندی ہے کہ مشورہ لازم ہے اور دوسری طرف یہ شرط ہے کہ فیصلہ ہو جائے تو پھر اس کی تعمیل سب پر لازم ہے۔

قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کے ہر قول اور فعل کو اسوہ حسنہ اور قانون کی حیثیت دی ہے، اور ہر صاحب فکر کو عقل و دانش سے کام لینے کی ترغیب دلائی ہے۔ اس حکم کے سبب اسلامی قانون سازوں کا کام آسان تر ہو گیا، یعنی قرآن اور حدیث کے واضح احکامات کے علاوہ اجتہاد کا دروازہ بھی کھلا رکھا گیا۔ جب تک ان اجازتوں سے فائدہ اٹھایا جاتا رہا اسلامی قانون میں زمانے کا ساتھ دینے کی گنجائش رہی اور وہ ترقی کرتا رہا۔

اسلام سے پہلے بھی عرب میں نفاذ عدل کا نظام قائم تھا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اس ادارے کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جو حرب فجار کے بعد موثر شکل میں سامنے آیا اور اس کے ابتدائی عمل میں اس ہونہار نوجوان نے بھی حصہ لیا جس نے کچھ عرصے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ کا لقب پایا۔ اس ''حلف الفضول'' میں ایک رضا کار جماعت نے ہر مظلوم کی مدد کرنے، ظالموں کی سرکوبی کرنے اور حق داروں کو ان کا حق دلانے کا بیڑا اٹھایا۔ نبوت کے بعد بھی حضور ﷺ اس جماعت کی سرگرمیوں سے عملاً وابستہ رہے۔

بہرحال یہ غیر معمولی اور خصوصی طریقہ تھا دادرسی کا، لیکن عام طور پر انصاف کے تین مسلمہ طریقے یہ تھے۔

① قبیلہ داری پنچ جو مدعی اور مدعا علیہ کا بیان سن کر فیصلہ کرتے۔

② اگر یوں فیصلہ نہ ہوتا تو کاہنوں سے رجوع کیا جاتا۔ کاہن عبرانی زبان میں یہودیوں کے یہاں عبادت گاہوں کے منتظم کو کہتے۔

③ تیسرا اہم ادارہ تحکیم کا تھا۔ بڑے سردار سال میں ایک بار کسی بڑے میلے مثلاً عکاظ میں جاتے اور وہاں مقدمات سن کر فیصلہ کرتے۔ لوگ ایسی عدالتوں کے اجلاس کے انتظار میں رہتے اور دور دور سے آتے۔ ان کے علاوہ قبیلہ داری حکم بھی ہوتے تھے۔

مدینہ منورہ کی حد تک پورا عدالتی کام رسول اللہ ﷺ خود انجام دیتے تھے، لیکن جب اسلامی حکومت کا دائرہ بڑھا اور انتظامی کاموں کا بوجھ زیادہ ہوگیا تو حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں چند مفتی یا قاضی مقرر فرما دیے۔

❀

اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں میں کچھ غیر معمولی صلاحیتیں پائی جاتی تھیں، تاہم جب اسلامی تعلیمات نے ان صلاحیتوں کو صیقل کیا تو ان کی کارکردگی نے ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ وہ بھی ایک ایسی دلچسپ قوم تھی جو ان پڑھ ہونے پر اتراتی تھی۔ خود عرب کے معنی ہیں وہ شخص جو اپنا مطلب اچھی طرح واضح کرے یعنی فصاحت کے ساتھ۔ اس کے برعکس تمام عرب، عجم کہلائے، جس کے معنی گونگے ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی چھوٹے چھوٹے مکتبوں کا ذکر ہے، جہاں لڑکے اور

لڑکیاں دونوں پڑھتے تھے۔عکاظ کے میلے میں جو ادبی معرکے ہوتے تھے،ان کے پیش نظر اسے ایک بین العرب ادبی کانگریس کہا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ بھی جگہ جگہ علمی اور ادبی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔اس زمانے میں مکہ کی علم دوستی کا معیار کچھ زیادہ ہی اونچا تھا۔

رسول اللہ ﷺ پر چالیس سال کی عمر میں وحی اتری۔آپ ﷺ عمر بھر امی ہی رہے،لیکن کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ خدا کا سب سے پہلا پیغام جو آپ ﷺ کے پاس آیا وہ ''اقراء'' سے شروع ہوا اور قلم کی تعریف کی گئی کہ جملہ علوم انسانی اس سے منسلک ہیں۔ہجرت سے قبل حضور ﷺ نے کاتبوں کو اس کام پر مامور کر رکھا تھا کہ وہ وحی لکھتے رہیں اور ان کی نقول تیار کریں۔

ہجرت کے بعد مدینہ میں نئی اجتماعی زندگی کا آغاز ہوا تو تعلیم کی طرف خاص توجہ دی گئی۔جس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ڈیڑھ سال ہی میں ستر آدمی جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ منورہ لائے گئے تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو مالدار نہ تھے،رہائی کے لیے یہ فدیہ مقرر کیا کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو صفہ میں لوگوں کو لکھنے اور قرآن پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا۔صفہ سے مراد مکان کا ملحقہ حصہ ہوتا ہے اور یہ مسجد نبوی ﷺ کا احاطہ تھا۔مدینہ منورہ میں صفہ واحد درسگاہ تھی صفہ بلکہ یہاں کم از کم نو مساجد عہد نبوی ﷺ میں موجود تھیں،اور ہر مسجد آس پاس کے محلے والوں کے لیے درسگاہ کا کام بھی دیتی تھی۔

حصول علم کی اہمیت کے بارے میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی (ﷺ) میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں دو قسم کے لوگ موجود ہیں،کچھ لوگ نوافل اور خدا کی عبادت میں مشغول تھے،اور کچھ لوگ پڑھنے لکھنے میں مصروف تھے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دونوں ہی اچھا کام کررہے ہیں، البتہ ایک کا کام زیادہ بہتر ہے، جو لوگ خدا سے کچھ مانگ رہے ہیں، ان کے متعلق خدا کی مرضی ہے کہ چاہے تو دے، چاہے تو نہ دے۔ البتہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علم حاصل کررہے ہیں اور جہالت کو دور کررہے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ میں بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اس حلقے میں اپنے لیے جگہ بنائی، جہاں درس ہورہا تھا۔ ویسے بھی رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی ﷺ کے حلقہ ہائے درس کا اکثر معائنہ کرتے، اور اگر وہاں کوئی بدعنوانی نظر آتی تو اس کا تدارک فرماتے۔

عرب میں خطوط پر مہر لگانے کا رواج سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے ہی شروع ہوا۔ یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو خط کی صفائی اور وضاحت کا بے حد لحاظ رہتا تھا۔ حد یہ ہے کہ حرفوں کے شوشوں پر بھی آپ ﷺ خاص توجہ فرماتے تھے اور کاتبوں کو تاکید کی جاتی تھی کہ وہ عبارت نہایت صاف اور خوشخط لکھیں۔

اسلامی مملکت جو شہر مدینہ کے کچھ حصوں پر مشتمل تھی، رفتہ رفتہ پھیلتی چلی گئی اور نہ صرف خانہ بدوشوں بلکہ شہروں میں رہنے والے عربوں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کرلیا، جس کے بعد یہ ضرورت پیش آئی کہ ایک وسیع تعلیمی نظام قائم ہو، جو دس لاکھ سے زائد مربع میل کے رقبے کی ضروریات کو پورا کرسکے۔ اس قدر وسیع رقبے کے باوجود حکومت اسلامی عہد نبوی ﷺ کے آخر تک دینیات کی تعلیم کی ضرورتوں سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کے قابل ہو چکی تھی۔ بہت سے تربیت یافتہ معلمین مدینہ منورہ سے بھیجے جاتے تھے اس کے علاوہ صوبہ وار گورنروں کے فرائض میں بھی یہ شامل تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقے میں لوگوں کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کا انتظام کریں۔

مکہ سے جو مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے، ان کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد پر قریش مکہ نے نہ صرف قبضہ جما لیا، بلکہ اپنے معاشی اثرات کے تحت اہل مدینہ کو دھمکی دی کہ محمد (ﷺ) کو وہاں سے نکال دیں، اور اپنی بات منوانے کے لیے دشمنانِ دین مدینہ پر حملہ کرنے کا انتظام کرنے لگے، حتیٰ کہ ہجرت کے ابتدائی زمانے میں تارک وطن مسلمان ہتھیار بند ہو کر سویا کرتے تھے۔ اس بے سروسامانی کے باوجود مدینہ میں ایک نئی منظم اور مہذب اجتماعی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس وقت نہ صرف مقامی کاروبار پر یہودی چھائے ہوئے تھے بلکہ شام، یمن اور عمان تک ان کا تجارتی کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ معاہدہ مدینہ کا ایک مثبت اثر یہ بھی ہوا کہ یہودیوں کی معاشی قوت اس بے کسی کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے خلاف استعمال نہیں ہو سکی۔

ادھر مختلف وجوہ کی بناء پر مکہ میں قریش کی تجارت مفلوج ہو گئی تو وہ بیسیوں قبائل جو ان کے کاروبار پر پل رہے تھے، قریش سے ٹوٹ کر مدینہ واپس ہو جانے پر مجبور ہو گئے۔

سامی زبانوں میں ہجرت کا لفظ ایک دلچسپ تاریخ رکھتا ہے۔ یہ لفظ "ہجر" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی حبشی اور بعض سامی زبانوں بلکہ خود قدیم عربی میں 'شہر" کے ہیں۔

اصطلاحی طور پر ہجرت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک قومیت والا دوسری قومیت اختیار کرنا چاہے تو اس ملک میں آباد ہو جائے، اور اس کا تمدن اختیار کر لے، لیکن اسلام کا تصور قومیت چونکہ منفرد ہے، اور دیگر جغرافیائی، نسلی اور لسانی قومیتوں سے جدا ہے۔ اس لیے جو شخص اسلامی قومیت اختیار کرنا چاہے تو اس کے نسل، رنگ اور زبان سے بحث نہیں ہو گی۔ اسے صرف کلمہ طیبہ کا قائل ہونا اور قرآن پر چلنے کا اقرار کرنا ہو گا۔

آج کل تو یہ ضروری نہیں رہا کہ جو شخص اسلام قبول کرنا چاہے، وہ اسلامی ملک میں بھی رہے، اور عہد نبوی ﷺ میں بھی فتح مکہ کے بعد کوئی ایسی پابندی نہیں تھی لیکن ہجرت مدینہ کے بعد ابتدائی چند برسوں میں ہر مسلمان ہونے والے شخص کو اسلامی سرزمین میں آ کر رہنا پڑتا تھا، کیونکہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر جانے کے بعد بھی مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا اور اہل مدینہ کو بھی الٹی میٹم بھیجا کہ وہ محمد (ﷺ) کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں اور مسلمانوں کو نکال باہر کریں ورنہ مناسب کارروائی ہوگی۔ اس زمانے میں مدینہ کی آبادی تقریباً دس ہزار تھی۔ جس میں انصار اور مہاجرین سمیت مسلمانوں کی کل تعداد پانچ سو سے زیادہ نہ تھی۔ ان حالات میں یہ ضروری تھا کہ جتنے مسلمان ہوں وہ ایک ہی جگہ رہیں۔ چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد یہ ہدایت فرمائی گئی:

"لوگ قبول اسلام کرنے کے بعد نہ صرف اسلامی احکام پر چلیں بلکہ اسلامی علاقے میں جا کر آباد ہو جائیں، تاکہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت میں اضافہ ہو۔"

سات برس اس اصول پر عمل ہوتا رہا لیکن فتح مکہ کے بعد جب پورے عرب میں اسلام کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں، پہلے بھی قبول اسلام کے ساتھ ہجرت کی شرط منسلک نہیں تھی۔ ایک دفعہ باہر سے کچھ لوگ مدینہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا:

"آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے معلم ہمارے پاس آئے اور ہم سے کہا کہ جو ہجرت نہ کرے اس کا اسلام قبول نہیں۔ ہمارے ملک میں ہماری جائیداد، کاروبار اور دیگر چیزیں ہیں، کیا آپ ﷺ کے معلم کا ارشاد درست ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو ہمیں اس کی تعمیل میں کوئی تاویل نہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"نہیں، اسلام کا قبول ہونا اس پر موقوف نہیں، تم جہاں بھی رہو
تمہیں مہاجرین ہی کے حقوق و فرائض حاصل ہوں گے۔"

ہجرت کا ایک مفہوم یہ بھی تھا کہ نومسلموں کو اسلامی علاقوں میں بسنے کی ترغیب دی جائے تاکہ اسلامی علاقوں میں توسیع ہوتی رہے، یہ بھی ایک اصول بنایا گیا کہ ٹھوس اسلامی علاقے اور دشمن کے علاقے کے بیچ میں نو آبادیاں (اس زمانے کی اصطلاح میں دار ہجرت) منتخب کر لی جاتیں تو ہزاروں عرب بال بچوں سمیت وہاں جا بستے، اس آبادکاری کا ایک خاص افسر بھی ہوتا تھا۔

قرآن مجید میں انسانی زندگی کو کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آدمی اولاً تو ایک کمزوری اور بے بسی کا نام ہے، پھر قوت اور جوانی کا دور آتا ہے، اور اس کے بعد پھر کمزوری اور بے بسی یعنی بڑھاپا ہے۔ گویا کچھ کر گزرنے کا عرصہ ان دو کمزوریوں کا درمیانی وقفہ یعنی جوانی کا زمانہ ہے۔ اس دور میں انسان کو توشہ آخرت کما لینا چاہیے۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی عظیم ترین شخصیات نے اس دور میں عظیم کارنامے سرانجام دیے، کسی بوڑھے یا بچے نے کبھی کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دیا۔ اس اصول کے تحت ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ کا بچپن اور جوانی کا زمانہ جس ماحول میں گزرا تھا، وہ صحرائی زندگی کا ماحول تھا۔ جہاں لوگ محنت کش اور سادہ دل ہوتے ہیں، انہیں مظاہر قدرت اور مناظر قدرت سے گہرا لگاؤ ہوتا ہے، اور زندگی کی سرگرمیوں میں مردانہ وار حصہ لیتے ہیں۔ حرب فجار کے وقت آپ ﷺ کی عمر 25 برس تھی۔ آپ ﷺ بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوئے۔ اس پر چند انسانیت پرور لوگوں نے ایک جلسہ طلب کیا اور کہا:

''ہم خدا کے گھر کے پاسبان ہو کر ظلم و زیادتی میں حصہ لیں تو بڑے شرم کی بات ہے، ہمیں تو دنیا کے سامنے ایک اعلیٰ مثال پیش کرنی چاہیے۔''

''چنانچہ تمام حاضرین اور ان کے رشتہ داروں نے حلف اٹھایا کہ آج سے نہ تو ہم خود کسی پر ظلم کریں گے، نہ کسی کو ظلم کرنے کی اجازت دیں گے۔''

اس میں رسول اللہ ﷺ نے نمایاں حصہ لیا جو ان کے زمانے میں آپ ﷺ کی سچائی، دیانت اور انصاف پسندی نے آپ ﷺ کو صادق اور امین کے خطابات دلوائے۔ بڑے بڑے مشکل مسائل میں لوگ آپ ﷺ کو حکم اور ثالث مقرر کرتے اور آپ ﷺ کے ہر فیصلے کو خوشی خوشی قبول کر لیتے۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر کے سامنے ایک چبوترہ بنا دیا جس پر سائبان بھی تھا۔ اسے صفہ کہتے تھے، دن کو یہ مدرسہ بن جاتا تھا اور رات کو بورڈنگ ہاؤس۔ یہاں دینی تعلیم تو خود رسول اللہ ﷺ دیا کرتے تھے، لیکن ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانا نوجوان رضاکاروں کے سپرد تھا۔ ایک نوجوان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ذہانت اور خوش خلقی دیکھ کر آپ ﷺ نے انہیں اپنا میر منشی مقرر کر لیا۔ معاہدوں کی عبارت اور اہم خط و کتابت انہی کے ذمہ تھی۔ ان کے علاوہ اس وقت کے دیگر کاتب بھی نوجوان تھے۔

# 2

## معاہدہ حدیبیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

◆ ۱ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد (ﷺ) بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی ہے۔

◆ ۲ دس سال تک ہم آپس میں کوئی جنگ نہیں کریں گے۔

◆ ۳ اس مدت میں فریقین کا ہر شخص مامون و محفوظ ہوگا، اور کوئی کسی کے خلاف تلوار نہیں اٹھائے گا۔

◆ ۴ قریش کا اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے گا تو اسے واپس بھیج دیا جائے گا، لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

◆ ۵ قبائل عرب کو اختیار ہے کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدے میں شریک ہو جائیں۔

◆ ۶ اس مرتبہ مسلمان واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آئیں، مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں۔

◆ ۷ ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام سے باہر نہ ہو اور نیام تھیلے میں ہو۔

❀

رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کیے ہوئے چھ سال گزر گئے۔ ان چھ سالوں میں قریش مکہ نے ہر ممکن کوشش کی کہ مدینہ کی یہ نئی اسلامی ریاست ختم ہو جائے لیکن انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی۔ کئی بار انہوں نے اپنی قوت مجتمع کر کے مدینہ منورہ پر حملے کیے لیکن ان جنگوں میں قریش کو ایسا بھاری نقصان اٹھانا پڑا کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی، مگر جاہلی عصبیت کی آگ ان کے دلوں میں بھڑک رہی تھی۔ جب وہ تنہا کچھ نہ کر سکے تو یہودیوں سے ساز باز شروع کر دی۔ غزوہ خندق میں قریش اور یہودیوں کی یہ ساز باز کھل کر سامنے آئی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے مسلمان دو دشمنوں میں گھر گئے تھے، ایک طرف خیبر کے قلعوں میں یہودی جنگی تیاریاں کر رہے تھے، دوسری طرف مکہ میں منصوبے باندھے جا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے صلح مصالحت کی جو کوششیں کیں وہ بار آور نہیں ہوئیں، اور ان کی شر پسندی کا پارہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ اہل مکہ اور قریش کے رویہ نے یہودیوں کے حوصلوں کو اور بلند کر دیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی اس دو طرفہ جنگ میں جیت نہیں سکیں گے۔

یہ وہ پس منظر تھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں سے صلح کا منصوبہ بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاست میں جیت ہمیشہ اس کی ہوتی ہے، جو جنگ کے ساتھ صلح کا بھی چیمپئن ہو اور مناسب وقت سے مناسب طریقے سے دشمنوں کو صلح کے لیے مجبور کر دے، اور اس صلح کے لیے اپنے لیے وقت حاصل کر لے۔

مسلمان اس وقت کمزور نہیں تھے، وہ طاقت رکھتے تھے تاہم اس طاقت کا صحیح استعمال ضروری تھا۔ محض طاقت کا گھمنڈ کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اگر اس طاقت کے ساتھ ایک کامیاب ڈپلومیسی بھی نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ڈپلومیسی کے ان تقاضوں کو

بھانپ لیا۔ وحی الٰہی بھی آپ ﷺ کی رہنمائی کر رہی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش سے مصالحت کے لیے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان باہمی تنازعات پر غور کیا۔ ایک تنازعہ یہ تھا کہ مسلمان خانہ کعبہ کی زیارت کرنا اور حج وعمرہ کی رسم ادا کرنا چاہتے تھے، لیکن قریش کی طرف سے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے مسلمان اپنے قبلہ کی زیارت سے محروم تھے۔ اس کا انہیں بڑا دکھ تھا، اور ویسے بھی مسلمان مہاجرین کی فطری طور پر یہ خواہش کی تھی کہ وہ کم از کم سال میں ایک بار اپنے اصلی وطن مکہ جا سکیں اور وطن کی گلیوں کو دیکھ سکیں۔ اس حب وطن پر خانہ کعبہ کی زیارت کا اشتیاق مزید تھا، اور حقیقت میں خانہ کعبہ سے وابستگی ہی کی بناء پر انہیں اپنا وطن مکہ یاد آتا تھا، لیکن اس یاد پر وہ دل مسوس کر رہ جاتے تھے، کچھ کر نہ سکتے تھے۔ اصولی لحاظ سے قریش کو اس بات کا کوئی حق نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی زیارت سے روکتے، کیونکہ خانہ کعبہ تمام عربوں کا تھا کوئی قریش کی ملکیت یا جاگیر نہ تھی۔ وہ صرف اس کے متولی تھے۔ انہیں یہ حق نہیں تھا کہ وہ کسی کو کعبہ آنے اور زیارت کرنے سے منع کریں۔ اصل میں قریش کے رہنمایان کفر اس چیز سے خوف زدہ تھے کہ اگر مسلمان مکہ میں آمد و رفت رکھیں گے تو مسلمانوں اور مشرکین کا میل جول رنگ لائے گا، اور مشرک عرب مسلمانوں کا اثر قبول کر لیں گے۔ یہ رہنمایان کفر مدینہ منورہ کے اسلامی معاشرہ کے بارے میں طرح طرح کی جھوٹی باتیں پھیلاتے تھے۔ مثلاً یہ کہ بتوں کے غضب سے مدینہ کی آب و ہوا مسلمانوں کے لیے ایسی ہوگئی ہے کہ وہ بیمار اور لاغر ہوگئے ہیں اور قحط الگ پڑا ہوا ہے۔ انہیں کھانے کو بھی نہیں مل رہا ہے، سب بھوکے مر رہے ہیں۔ عرب مشرکین اپنے سرداروں کی اس طرح کی باتوں پر یقین رکھتے تھے، لیکن مسلمان خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے مکہ آسکتے تو وہ لوگوں میں مل جل کر آپس کی بات چیت سے اس مبالغہ آمیز پروپیگنڈے کی قلعی کھول سکتے تھے۔

قریش کے جاہل سردار اس وجہ سے بھی مسلمانوں کو مکہ آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ مسلمانوں میں خود مکہ کے رہنے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ ان مہاجرین کے اہل قبیلہ، اہل خاندان اور دوست واحباب مکہ میں تھے، وہ اگرچہ جذبہ جاہلیت اور بت پرستوں کے دباؤ اور اثر کی وجہ سے اپنے ہی لوگوں کے مخالف ہو گئے تھے کہ انہوں نے اسلام قبول کیوں کیا لیکن اس مخالفت کی بنیادیں بہت کمزور تھیں، اور اب بھی قبائلی رشتوں، خونی رشتوں اور ذاتی دوستی وتعلقات کے اثرات موجود تھے۔ اگرچہ یہ دبے ہوئے تھے، مسلمانوں کے مکہ مکرمہ آنے جانے سے یہ اندیشہ تھا کہ انسانی تعلق کے یہ دبے ہوئے جذبات ابھر آئیں اور مشرکین عرب نسلی، قبائلی، خاندانی اور ذاتی روابط اور محبت کے اثر میں آ کر مسلمانوں کے معاملے میں نرم اور کمزور پڑ جائیں گے۔ فی الحقیقت مکہ مکرمہ کی عام آبادی میں یہ نرمی اور کمزوری پیدا ہو بھی چلی تھی۔ ایک عرصہ تک مسلمانوں سے جنگ کرنے کے بعد آخر وہ سوچنے لگے کہ محمد (ﷺ) کا مذہب غلط سہی لیکن اس میں آپس کی خونریزی کی کیا بات ہے۔ وہ بتوں کو نہیں مانتے تو وہ جانیں اور بت جانیں، ہم کیوں لڑیں اور لڑائی بھی ایسی کہ ہم اپنے ہی قبیلہ اور خاندان کے لوگوں کو قتل کریں یا ان کے ہاتھوں قتل ہو جائیں۔ ایسا بہت کچھ ہو چکا، اب یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے اور کوئی مصالحت ہونی چاہیے لیکن یہ سب کچھ دل سے چاہنے کے باوجود سرداروں کی روش کی وجہ سے وہ دل کی بات زباں پر لاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مصالحت کے لیے جو وقت رسول اللہ ﷺ نے منتخب کیا۔ وہ اس کے لیے بہترین وقت تھا اور اس سلسلے میں فضاء بڑی حد تک سازگار تھی۔ ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ مسلمان ایک بار اپنی خواہش مصالحت ظاہر کر دیں پھر مکہ مکرمہ کے عام اور سمجھدار لوگوں میں اس کا اچھا ردعمل ہوتا، اور وہ اپنے سرداروں پر دباؤ ڈال سکتے تھے کہ مصالحت ہونی چاہیے۔

❀

حدیبیہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور اس سے آگے شام کی طرف جانے والی قدیم شاہراہ پر ایک مقام کا نام ہے۔ جہاں ابتدائے اسلام کے زمانے میں ایک کنواں تھا۔ آج کل اس جگہ کا نام بدل دیا گیا ہے اور اسے شمیسیہ کہتے ہیں۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان اڑھائی سو میل کا فاصلہ ہے، لیکن حدیبیہ مکہ مکرمہ سے فقط دس بارہ میل کی مسافت پر ہے۔ یہ دوسرا کنواں ہے جس کے قریب رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ پیش آیا تھا، جس نے غیر متوقع طور پر مسلمانوں کی تاریخ کا دھارا، فتوحات اور دیگر تبلیغی کامیابیوں کی طرف موڑ دیا تھا۔ پہلا کنواں "بدر" کا تھا۔

قرآن حکیم نے حدیبیہ کا نام لیے بغیر اس اہم واقعہ کے مختلف پہلوؤں کا ذکر فرمایا ہے، جس میں اسلامی سپہ سالاروں اور جرنیلوں کی رہنمائی کے لیے بہت کچھ سمو دیا گیا۔ کتب سیرت کے علاوہ قرآن حکیم کی قدیم عربی تفاسیر میں بھی اس کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے، تاہم تفاسیر میں چونکہ تاریخی حالات کے بیان کے لیے بہت تھوڑی گنجائش ہوتی ہے، اس لیے ان تفاسیر میں بھی بہت اہم نکات کو نظر انداز کر دیا ہے، اور بعض تفاصیل ایسی دی ہیں جو تاریخی نقطہ نظر سے درست نہیں۔

قرآن حکیم نے سورہ الفتح کو انا فتحنا لك فتحاً مبيناً کے الفاظ سے شروع فرمایا ہے۔ اس وجہ سے اس سورہ کو "فتح" کہتے ہیں۔ اس میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: "یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے۔"

قرآن حکیم کے الفاظ فتحاً اور مبيناً دونوں مبالغے کے الفاظ ہیں۔ گویا یہ فتح کوئی عام فتح نہیں، بلکہ ایک بڑی اور نمایاں فتح ہے۔

اس واقعہ یا مہم کا آغاز رسول اللہ ﷺ کے ایک خواب سے ہوتا ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے دیکھا آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد الحرام میں داخل ہو گئے ہیں، کعبہ کا طواف کر رہے ہیں اور عمرہ ختم کر کے سب نے اپنے سر منڈوایا ترشوا لیے ہیں۔ (یہ عمرہ یا حج کا آخری مرحلہ ہوتا ہے)

پیغمبروں کے خواب، عام لوگوں کے خوابوں کی طرح نہیں ہوتے، وہ ہمیشہ سچے اور بامعنی ہوتے ہیں،، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''وحی'' کا ایک ذریعہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم خواب ہی میں پایا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں باپ اور ماں کو ستاروں، سورج اور چاند کی شکل میں اپنی طرف سجدہ کرتے دیکھا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کا یہ خواب بھی ''وحی'' کی ایک صورت تھی، جب آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا خواب سنایا تو وہ اس کا مطلب فوراً سمجھ گئے اور بے حد خوش ہوئے کہ یہ ایک حکم ہے جس کی تعمیل میں ہمیں مکہ جانے اور عمرہ ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوگی، چنانچہ انہوں نے اس خواب کا بیان سننے کے بعد فوراً مکہ مکرمہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سے تو مہاجر تھے جن کو نہایت تکلیف دہ حالات میں اپنے شہر سے نکالا گیا تھا اور تقریباً چھ سال سے وہ اپنے آبائی شہر، اس کے گلی کوچوں اور اپنے گھروں کو دیکھنے اور بیت اللہ کی زیارت کے لیے ترس رہے تھے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک بڑی تعداد قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے انصار کی تھی۔ عرب کے دیگر قبائل کی طرح اوس اور خزرج کے یہ قبائل بھی اسلام سے پہلے ہر سال حج کے لیے مکہ مکرمہ جایا کرتے تھے، اور ان کا یہی سفر قبول اسلام کا بڑا باعث ہوا تھا۔ یہ انصار بھی اب جاہلیت کے حج کے بجائے اسلامی حج ادا کرنے کے بے حد مشتاق تھے۔

❀

رسول اللہ ﷺ نے یہ خواب غزوہ بنو مصطلق کے دو ماہ بعد اور غزوہ خندق (جنگ احزاب) سے تقریباً ایک سال بعد دیکھا تھا۔ جنگ احزاب میں شکست اور ذلت اٹھانے کی وجہ سے مشرکین مکہ کے دلوں میں جذبہ انتقام اور بڑھ گیا تھا۔ مسلمان اس صورتحال سے بے خبر نہ تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے شہر سے اڑھائی سو میل دور، اس قوم کے منہ میں جارہے ہیں، جو ان کے خون کی پیاسی ہے، اور اگر اتنی دور لڑائی چھڑ جائے تو یہ گویا اپنی ہلاکت اور تباہی کو دعوت دینا ہے۔ دوسری طرف اس بات کا خطرہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت مدینہ منورہ کو خالی چھوڑ کر مکہ مکرمہ کی طرف چلی جائے، تو پیچھے یہودیوں کی طرف سے بڑی خرابی ہوسکتی ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ جانے کا شوق اس قدر غالب تھا کہ مسلمان مردوں نے ان خطرات کو نظر انداز کر دیا بلکہ ان کی مائیں، بہنیں اور بیویاں بھی ان کے اس خطرناک سفر پر جانے میں رکاوٹ نہ بنیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن کو یقین تھا کہ یہ ایک نبی ﷺ کا خواب ہے، اور جس طرح آپ ﷺ نے دیکھا اور بیان فرمایا اسی طرح پورا ہونا ہے۔

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے آس پاس کے قبائل کے لوگوں کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی، مگر چونکہ ایک تو ان میں سے کچھ لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، اس لیے ان کے ایمان بھی ابھی پختہ نہیں ہوئے تھے، دوسرے بہت سے لوگ سچے دل سے ایمان ہی نہیں لائے تھے، یعنی منافق تھے، لہٰذا وہ مسلمانوں کے ساتھ جانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اصل میں ان لوگوں کا خیال تھا بلکہ یقین تھا کہ یہ مسلمان جب مکہ پہنچیں گے تو قریش سے ان کی ضرور جنگ ہوگی، اور طاقتور اہل مکہ اور ان کے حلیفوں کے مقابلے میں وہ ایسے پس جائیں گے کہ ان میں

سے کوئی بھی اپنے بیوی بچوں کے پاس زندہ سلامت لوٹ کر نہیں آئے گا۔

قرآن حکیم نے ان منافقوں کے لیے جنہوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا تھا "المخلفون" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، یعنی پیچھے رہ جانے والے۔ غالباً ان کو "المنافقون" اس لیے نہیں فرمایا کہ ان میں بہت سے لوگ بعد میں سچے مسلمان ہو گئے اور مختلف جہادوں میں شریک ہوئے، تاہم قرآن حکیم نے ان کے دلوں میں چھپی ہوئی بات یہ کہہ کر ظاہر فرمادی:

ترجمہ: "یعنی تم لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ خدا کا رسول ﷺ اور اس کے ساتھی، مومن لوگ بھی اپنے اہل و عیال کے پاس (زندہ) لوٹ کر نہیں آئیں گے۔"

آخر تیاریاں مکمل ہوئیں، زادراہ اور سواریاں حاصل کرلی گئیں، اور مسلمانوں کا یہ قافلہ ذیقعدہ 6ھ کو مکہ مکرمہ کے پرخطر سفر پر روانہ ہو گیا۔ چونکہ حکم خواب کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا ارادہ جنگ کرنے کا نہیں تھا، اس لیے آپ ﷺ نے کسی قسم کا اسلحہ جیسے نیزے، برچھیاں، تیر وکمان وغیرہ اپنے ساتھ نہ لیے صرف تلواریں اپنے سامان میں رکھ لیں، کیونکہ عرب کا قدیم زمانے سے یہ قاعدہ چلا آرہا تھا کہ سال میں تین ماہ ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم، محترم مہینے قرار دیے گئے تھے۔ ان مہینوں میں عرب کے مختلف علاقوں سے لوگ حج کے لیے مکہ مکرمہ آیا اور پھر جایا کرتے، ان مہینوں میں ڈاکو اور لٹیرے بھی راستوں سے ہٹ جاتے تھے۔ اس طرح راستے پرامن ہو جاتے تھے۔ تاہم ان لوگوں کو تلواریں اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت ہوتی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے صرف تلواریں ساتھ رکھنے اجازت دی تھی۔

❀

رسول اللہ ﷺ ایک ماہر فن سپہ سالار بھی تھے۔ ابھی مکہ مکرمہ کے راستے ہی

میں تھے کہ آپ ﷺ نے بنو کعب کے ایک ہوشیار شخص کو بطور جاسوس آگے مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ چوری چھپے وہاں جا کر اہل مکہ کے حالات اور ارادے معلوم کر کے اطلاع دے۔ بعض تفاسیر میں اس مخبر رسول (ﷺ) کا نام بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ دیا گیا ہے۔

ادھر اہل مکہ بھی بے خبر نہ تھے، انہیں پہلے سے اطلاع مل چکی تھی کہ رسول اللہ ﷺ ایک کثیر جمعیت کے ساتھ ان کی جانب آرہے ہیں، چنانچہ انہوں نے اطلاع پاتے ہی نہ صرف خود جنگی تیاریاں شروع کر دیں بلکہ مکہ کے قرب و جوار کے حلیف قبائل کو بھی جن کو "احابیش" کہتے تھے، اطلاع دے کر مکہ مکرمہ پہنچنے کی تاکید کر دی۔ وہ لوگ مسلمانوں کے مکہ مکرمہ کے قریب پہنچنے سے پہلے قریش کی مدد کے لیے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے مخبر نے مکہ میں حالات کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد واپس آ کر بتایا:

"اہل مکہ پورے زور و شور سے جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں اور انہوں نے اپنے حلیف قبائل کو بھی بلا بھیجا ہے۔"

بعض روایات کے مطابق مخبر نے یہ اطلاع بھی دی:

"اہل مکہ نے مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ آگے کراع الغمیم کی طرف بھیج دیا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ اطلاع پا کر اپنا راستہ بدل دیا اور ایک دشوار گزار راستہ اختیار کر لیا تاکہ خالد بن ولید کے دستے سے ان کی مڈبھیڑ نہ ہونے پائے (خالد بن ولید اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) یوں نبی کریم ﷺ راستہ بدل کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔

قریش کے اس جنگی ارادے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وائے برحال قریش۔ وہ جنگوں سے برباد ہو گئے، مگر پھر بھی نہ

سمجھے، آج اگر وہ مسلمانوں اور عرب زائرین کو طواف و زیارت
سے نہ روکتے تو ان کا کیا بگڑتا۔ قریش بیچ میں سے ہٹ جائیں،
میں جانوں یا عرب جانیں۔ اگر عرب مجھے ختم کر دیں تو قریش
کا مقصد پورا ہوگا، انہیں خوشی ہوگی۔ اگر مجھے غلبہ حاصل ہو جائے
تو قریش اپنی کثیر تعداد کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اگر
ایسا نہ ہو تو پھر خدا کی قسم میں حق کے لیے آخر وقت تک لڑوں گا۔"

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ بھی فکر مند ہو گئے، کیونکہ آپ ﷺ نہ جنگی تیاریوں کے ساتھ نکلے تھے اور نہ جنگ کے خواہش مند تھے۔ آپ ﷺ کا منصوبہ تو مصالحت کا منصوبہ تھا۔ یہ صحیح ہے کہ حرمت کے مہینے تھے ان میں جنگ نہیں ہو سکتی تھی، لیکن قریش کا لشکر حملہ کر دیتا اور بعد میں جھوٹی کہانیاں پھیلاتا کہ محمد ﷺ فوج لے مکہ پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ اس لیے مجبوراً دفاع میں جنگ کرنی پڑی تو لوگ جو اصل حقیقت سے آگاہ نہیں اس الزام کو سچ سمجھیں گے۔ جنگ کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم بچ کر واپس مدینہ منورہ پہنچ جائیں۔ اس سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا اور جھوٹی الزام تراشیوں سے نقصان الگ پہنچے گا۔ یہ سوچ کر نبی کریم ﷺ نے ناکہ بندی کرنے والے لشکر کا مقابلہ کرنے سے گریز کیا اور ایک دوسرے راستے سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور مکہ مکرمہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔

❀

مسلمانوں کا قافلہ جا رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی حدیبیہ کے مقام پر خود بخود بیٹھ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"یہ تکان سے نہیں بیٹھی ہے، اللہ کے حکم سے یہاں بیٹھی ہے۔ خدا
چاہتا ہے کہ ہم یہاں رک جائیں۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"آج اہل مکہ انسانوں کی بھلائی کے لیے مجھ سے جس شرط کا
مطالبہ کریں گے، میں اسے تسلیم کروں گا۔"

مسلمانوں نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ یہاں پانی کہیں نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر ایک شخص کو دیا کہ اسے وادی کے کسی کنوئیں میں نصب کر دو۔ جونہی ایسا کیا گیا کنوئیں سے پانی جوش مار کر ابل پڑا، اور سب انسانوں اور جانوروں نے سیراب ہو کر پانی پیا۔

قریش کو حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے قیام کی اطلاع ملی۔ وہ عجیب مخمصے میں پڑ گئے، لوگوں کی اکثریت کسی لڑائی بھڑائی کے حق میں نہیں تھی۔ عام خیال یہ تھا کہ حرمت کے مہینے ہیں، مسلمان زیارت کعبہ کے لیے آئے ہیں انہیں اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں مگر قریش کے سردار سمجھتے تھے کہ مکہ میں مسلمانوں کا داخلہ پر امن حالت میں ہی سہی لیکن عوام پر اس کا اچھا اثر نہیں پڑے گا، وہ چاہتے تھے کہ ایسی ترکیب ہو کہ جنگ کی نوبت بھی نہ آئے اور مسلمان کعبہ کی زیارت اور طواف کے بغیر واپس مدینہ لوٹ بھی جائیں۔

نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو قریش کے سرداروں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا:

"ہم جنگ کے لیے نہیں آئے، عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ ہمیں
امن کے ساتھ مکہ آنے سے نہ روکیں۔ ہم عمرہ ادا کر کے امن کے
ساتھ واپس چلے جائیں گے۔"

مگر قریش نے انہیں سخت جواب دیا:

''آپ کو مکہ میں ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا پیامبر بنا کر بھیجا۔

اس دوران قبیلہ بنوخزاعہ کا سردار بدیل بن ورقا اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے دریافت کیا:

''آپ (ﷺ) کس مقصد کے لیے آئے ہیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

''ہم عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ ہمارا جنگ کا کوئی ارادہ نہیں۔ امن کے ساتھ عمرہ ادا کر کے واپس چلے جائیں گے۔''

یہ بات بدیل کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے واپس جا کر قریش کے سردار کو سمجھایا:

''مسلمان عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ لڑائی کی کوئی نیت نہیں رکھتے۔ عرب کے دستور کے مطابق امن سے عمرہ ادا کرنا ان کا حق ہے۔''

لیکن قریش اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اس پر بدیل بن ورقا اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے الگ ہو گیا۔

بدیل بن ورقا کے بعد قریش نے احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس مقصد کے لیے بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو وہیں سے لوٹ جانے پر مجبور کرے۔ حلیس آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے اسے بھی وہی کچھ فرمایا جو اس سے پہلے بدیل بن ورقا سے کہہ چکے تھے۔ اس نے حالات کا جائزہ لیا تو دیکھا مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں۔ لبیک اللھم لبیک کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں، کسی نے اسلحہ باندھا ہوا نہیں ہے۔ اس نے قربانی کے جانور بھی دیکھ لیے اور اسے بھی یقین ہو گیا کہ محمد ﷺ جو کچھ کہہ رہے ہیں، سچ فرما رہے ہیں، اور ان کا

جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ حلیس نے بھی واپس جا کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی:

"مسلمان جنگ کے لیے نہیں بلکہ واقعی عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ اس لیے انہیں عمرہ ادا کرنے کی اجازت دے دیں۔"

مگر قریش اپنی ضد سے ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اس پر حلیس بھی اپنے اعراب قبائل کے ساتھ قریش سے الگ ہو گئے۔ گویا قریش کا ایک اور ستون ٹوٹ گیا۔

اس سلسلے میں قریش کے ایک اور حلیف اور مدبر عروہ بن مسعود ثقفی کا نام بھی آتا ہے۔ اسے بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس اسی مقصد کے لیے بھیجا گیا کہ مسلمانوں کو وہیں سے واپس چلے جانے پر آمادہ کرے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی وہی باتیں کیں جو اس سے پہلے دیگر سرداروں سے کی تھیں۔ عروہ بن مسعود بڑا جہاندیدہ اور ہوشیار شخص تھا۔ وہ مسلمانوں کے حالات اور حرکات و سکنات کا جائزہ بھی لیتا رہا، اور جب وہ قریش کے پاس واپس چلا گیا تو اس نے ان سے کہا:

"میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں، لیکن واللہ میں نے کسی بھی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا جس کے اہل دربار اس پر ایسے فدا ہوں جیسے محمد (ﷺ) کے ساتھی اس پر اپنی جانیں چھڑکتے ہیں۔ یہ لوگ تو محمد (ﷺ) کا تھوک بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے، بلکہ اسے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں، اور جب وہ (ﷺ) وضو کرتا ہے، تو وضو کا پانی بھی ہاتھوں میں لے کر اپنے بدن اور کپڑوں پر مل لیتے ہیں۔ اس سے سمجھ جاؤ کہ تمہیں کن لوگوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ پس تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم ان کو عمرہ کرنے سے مت روکو۔"

اس سے قریش کچھ نرم پڑ گئے، لیکن اپنی جھوٹی انا کی وجہ سے کہ عرب کے

لوگ کہیں گے، قریش نے دب کر مسلمانوں کو اپنے شہر میں داخل ہونے دیا ہے، اس بات پر آمادہ نہ ہوئے کہ مسلمانوں کو اس برس عمرہ ادا کرنے کی اجازت دیں۔ اس پر عروہ بن مسعود ثقفی بھی ان سے جدا ہو گیا۔

❀

رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ قریش مسلسل وفد پر وفد بھیجے چلے جا رہے ہیں اور بات کوئی نہیں بنتی۔ معلوم نہیں اصل ماجرا کیا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اپنا قاصد وہاں روانہ کیا جائے جو ان سے فیصلہ کن گفتگو کرے اور حالات کا جائزہ بھی لے۔ اس مقصد کے لیے حضرت خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا گیا۔ قریش نے پہلے تو اس قاصد کی سواری کا اونٹ ہلاک کر دیا اور قاصد کو پکڑ لیا۔ وہ اسے بھی شہید کر دیتے لیکن قبیلہ احابیش کا سردار آڑے آیا اور کہا:

"یہ آدمی میری پناہ میں ہے، تم اسے ہلاک نہیں کر سکتے۔"

اس طرح ان کی جان بچی۔

رات ہوئی تو قریش کے چالیس پچاس نوجوانوں کی ایک جماعت نے حدیبیہ پہنچ کر مسلمانوں پر پتھراؤ کیا۔ ان سب کو پکڑ لیا گیا اور قیدی بنا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ قریش کو جنگ کا کوئی موقع ملے۔ انہوں نے سب کی رہائی کا حکم دیا۔ ان لوگوں کی رہائی سے مکہ کی رائے عامہ اور بھی اس کے حق میں ہو گئی کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے دیا جائے۔

❀

اب رسول اللہ ﷺ نے اپنا دوسرا قاصد روانہ کیا۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔

قریش اگرچہ اپنے حلیف قبائل کے سرداروں کی یکے بعد دیگرے ناکامی اور ان کے الگ ہو جانے کی وجہ سے خاصے ڈھیلے پڑ گئے تھے، لیکن جب حضرت عثمان

غنی رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو ابان بن سعید نے ان کو امان دی۔ (یہ شخص بعد میں مسلمان ہوگیا) اس طرح ان کا کام آسان ہوگیا، لیکن قریش اپنی اسی ضد پر اڑے رہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا:

"آپ (رضی اللہ عنہ) خود عمرہ کرلیں۔"

مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"واللہ جب تک رسول اللہ ﷺ عمرہ نہیں فرمائیں گے، میں بھی عمرہ نہیں کروں گا۔"

اس پر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس روک لیا۔

رسول اللہ ﷺ اور مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب ان کی واپسی میں ضرورت سے زیادہ وقت لگ گیا تو مسلمانوں کو تشویش ہوئی۔ اس وقت کسی نے یہ بات اڑا دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور وہ سخت مشتعل ہوگئے، اور انہوں نے محسوس کیا کہ اب جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ تب نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں میں بیعت کا اعلان کرا دیا۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے مسلمانوں سے ایک ایک کر کے بیعت لینا شروع کر دی۔

اس بیعت کی ایک قابل ذکر بات یہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھ کر کہا:

"یہ ہاتھ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔"

اور ان کی طرف سے بیعت کرلی۔

قرآن نے اس بیعت کا ذکر یوں فرمایا ہے:

ترجمہ: "یقیناً راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے

تھے آپ کی اس درخت کے نیچے۔" (سورہ فتح:۱۸)

جب تمام مسلمان بیعت کر چکے تو انہوں نے تلواریں میان سے نکال لیں۔ اب وہ جنگ کے لیے بڑھنے والے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بہ خیریت ہونے کی اطلاع موصول ہوئی۔

❀

قریش کو جب ان کے آدمیوں نے مسلمانوں کے اس بیعت اور تادم مرگ لڑنے کے عزم کی خبر پہنچائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے ایسا مرعوب کر دیا کہ ان کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، اور وہ فوراً صلح پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رہا کر دیا بلکہ اپنے ایک قابل اعتماد مدبر اور تجربہ کار شخص سہیل بن عمرو کی سرکردگی میں تین آدمیوں کا ایک وفد بھیجا کہ وہ محمد ﷺ سے معذرت کریں اور صلح کی شرائط طے کر کے معاہدہ کریں۔ (سہیل بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)

رسول اللہ ﷺ نے جب سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"اب صلح کا کام آسان ہو جائے گا۔"

سہیل بن عمرو اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان مذاکرات ہوئے اور نتیجتاً صلح نامہ لکھا جانے لگا۔ آپ ﷺ نے صلح نامہ یا عہد نامہ لکھنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا۔ "لکھو۔"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس پر سہل بن عمرو نے اعتراض کیا اور کہا:

"ہم کسی "رحمان" کو نہیں جانتے۔ اس کے بجائے وہ الفاظ لکھو جو ہم میں رائج ہیں۔"

آپ ﷺ نے اس کی بات منظور فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"لکھو باسمك اللهم"

یہ ابتدائیہ کلمہ عرب میں زمانہ جاہلیت سے رائج تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں کوئی بھی قباحت نہ دیکھی۔ اس لیے یہی لکھوا دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

لکھو: هذا من قاضی علیه محمد رسول الله (ﷺ) وسهیل بن عمرو۔"

اس پر بھی سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا:

"اگر ہم آپ (ﷺ) کو خدا کا رسول مانتے تو پھر جھگڑا ہی کس بات کا تھا۔ اس لیے عام قاعدے کے مطابق محمد بن عبداللہ لکھو۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! میں خدا کا رسول (ﷺ) ہوں اور تم مجھے جھٹلاتے ہو۔"

رسول اللہ ﷺ چونکہ بہر صورت اس عہد نامہ کی تکمیل چاہتے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محمد رسول اللہ (ﷺ) کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھنے کو فرمایا، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں ان الفاظ کو مٹانے کی جسارت نہیں کر سکتا۔"

بعض نے لکھا ہے:

"اس وقت حاضرین میں سے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اس کو نہ مٹائیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی انگلی سے یہ لفظ مٹا دیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محمد بن عبداللہ لکھنے کو فرمایا:

پھر عہد نامہ یا صلح نامہ ضبط تحریر کیا گیا۔ جو شروع میں درج کیا جا چکا ہے۔ اس

عہد نامہ کی تین شرائط کھلے طور پر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ اس لیے مسلمانوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خاموش رہنے کو فرمایا، جس پر وہ خاموش تو ہو گئے لیکن دل ان شرائط پر سخت رنجیدہ تھے، اور جب شق نمبر 6 لکھی گئی تو حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ اس پر ضبط نہ کر سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں کہا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے برحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کیوں نہیں!''

اس پر حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تو پھر ہم کیوں اس ذلت کو قبول کریں کہ (احرام باندھنے کے بعد) بغیر عمرہ کیسے واپس چلے جائیں؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں میں اس کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور اللہ مجھے ضائع نہیں فرمائے گا۔ وہ میرا مددگار ہے۔''

حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کی تسلی اس پر بھی نہ ہوئی۔ پھر یہی سوالات انہوں نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے بھی کیے۔ انہوں نے بھی ان کو سمجھایا:

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں، ٹھیک ہی کرتے ہیں۔''

اصل میں یہ جذبات واحساسات صرف حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ ہی کے نہیں

بلکہ تقریباً سبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تھے۔ وہ اس عہدنامہ کی شق نمبر 6 میں اپنے لیے ذلت محسوس کرتے تھے۔

اور پھر اس جلتی پر تیل کا ایک زبردست چھینٹا یہ آن پڑا کہ عین اس وقت جب یہ عہدنامہ لکھا گیا، اور ابھی اس کی سیاہی بھی نہ خشک ہونے پائی تھی کہ ایک دل ہلا دینے والا واقعہ پیش آگیا۔ اسی سہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے اور اس جرم میں ان کے باپ نے پابہ زنجیر کر کے قید کر رکھا تھا، اور ان پر آئے دن سختیاں اور مظالم ڈھاتا رہتا تھا۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کسی طرح قید سے بھاگ کر مسلمانوں کے اس کیمپ میں پہنچ گئے۔ سہیل بن عمرو نے جب وہاں بیٹے کو دیکھا تو پکار اٹھا:

"یہ پہلا شخص ہے جسے آپ (ﷺ) کو اس عہدنامہ کی رو سے ہمارے حوالے کرنا ہے۔"

ذرا اس منظر کا تصور کیجئے کہ ایک طرف مسلمان جمع ہیں دوسری طرف عہدنامہ لکھنے لکھانے والے مشرکین مکہ بیٹھے ہیں۔ عین اس وقت ایک مسلمان قیدی نہایت قابل رحم حالت میں پاؤں میں زنجیریں پہنے مسلمانوں کے سامنے آپہنچتا ہے۔ قریش (جن کا سردار خود اس قیدی کا باپ ہے) مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے اس قیدی کو ہمارے حوالے کیا جائے (تاکہ وہ اسے مکہ واپس لے جا کر مزید ظلم وستم کا نشانہ بنائیں) اور یہ قیدی اپنے جسم کے زخم دکھا دکھا کر جوان لوگوں کے مظالم اور ستم کاریوں کی گواہی دے رہے ہیں، دہائی دے رہا ہے کہ مجھے ان ظالموں کے حوالے نہ کرو! لیکن عہدنامہ پر دستخط کرنے والے، مسلمانوں کے قائد (رسول اللہ ﷺ) اس عہدنامہ کی ایک شرط کی پابندی کرنے پر مجبور ہیں۔ آپ ﷺ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو ان مشرکوں کے حوالے کر دیتے ہیں اور ابوجندل رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں:

''ابو جندل (رضی اللہ عنہ) صبر سے کام لو، اللہ تمہاری اور تمہارے جیسے
دوسرے قیدیوں کی رہائی کی کوئی اور سبیل نکال دے گا۔''

مسلمان اس عہد نامہ کی بعض شرائط پر پہلے ہی ناراض تھے۔ اس واقعہ نے انہیں اور بھی حزن وملال میں ڈبو دیا۔ ارشاد نبوی ﷺ کے آگے وہ خاموش تو ہو گئے، لیکن ان کے دل کی کھٹک ایسی آسانی سے کہاں نکل سکتی تھی۔ ایک طرف یہ سخت شرائط جن میں سے ایک یہ ناقابل برداشت منظر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دوسری طرف اطاعت رسول ﷺ۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے، اور کیوں ہو رہا ہے، لیکن اللہ کے پیغمبر برحق ﷺ جو کچھ بھی کر رہے تھے، اللہ کے حکم کے مطابق کر رہے تھے اور آگے چل کر واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس عہد نامہ کی ایک ایک شق، ایک ایک شرط کے نتائج مسلمانوں کے لیے کس قدر مفید اور کار آمد نکلے۔

❀

عہد نامہ مکمل ہو گیا، سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھی حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو پابہ جولاں اپنے ساتھ لے کر رخصت ہو گئے۔ مسلمانوں پر ایک مکمل سناٹا چھایا رہا۔ وہ سر جھکائے بیٹھے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''اٹھو، اور اب یہیں اپنی قربانیاں کر دو اور احرام کھول دو۔''

مگر اس فرمان پر کوئی جگہ سے نہ اٹھا۔ مسلمانوں میں ایک تو غم واضطراب کی وجہ سے تعمیل حکم کے لیے کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی۔ دوسری بات یہ تھی کہ مدینہ میں وحی الٰہی کے مطابق وہ خانہ کعبہ میں قربانی اور عمرہ کے متوقع تھے۔ یہاں قربانی اور عمرہ انہیں بے موقع نظر آئی، حالانکہ مدینہ کی وحی الٰہی میں تو یہ کہیں نہیں تھا کہ مسلمان اسی سال خانہ کعبہ میں داخل ہوں گے۔ یہ وحی آئندہ سال کے لیے تھی، مگر لوگ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ اسی سال پوری ہونے والی ہے۔ اس امید کو دھچکا لگا تھا، اور صلح نامہ کی شرائط

بھی ناگوار تھیں۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر بھی سر منڈوانے اور قربانی کے لیے مسلمانوں میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ فرمایا کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے تیسری بار فرمایا لیکن حالت یہی رہی۔ یہ لوگ ایسے حزن وملال میں ڈوبے ہوئے تھے کہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

ان لوگوں کے غم واندوہ کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ یہ وہی لوگ تھے جو اپنے پیغمبر ﷺ کے ادنیٰ سے اشارے پر جانیں نچھاور کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے اور جنہوں نے ابھی ابھی آپ ﷺ کی دعوت پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر خوشی خوشی بیعت کی تھی، مگر اب تین بار حکم دہرانے پر بھی وہ حرکت میں نہ آسکے۔ آپ ﷺ نے اس کیفیت کا اندازہ کرلیا اور اٹھ کر اپنے خیمے میں چلے گئے۔ لوگ وہیں بیٹھ رہے۔

❀

رسول اللہ ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب بھی کسی غزوہ یا سفر پر جاتے، اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا، انہیں سفر میں ساتھ لے لیتے، اس سفر کی قرعہ اندازی میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام نکلا۔ وہی آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ جب آپ ﷺ خیمے میں داخل ہوئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پریشانی کا سبب پوچھا۔ آپ ﷺ نے سارا قصہ بیان فرمادیا۔ اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا:

"اس وقت مسلمانوں کے دل غم سے نڈھال ہیں۔ آپ ﷺ یوں کیجئے کہ ان سے کچھ نہ کہیے۔ خود جا کر اپنی قربانی کر دیجئے احرام کھول دیجئے اور بال منڈوا (ترشوا) لیجیے۔ پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔"

چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے مشورے پر عمل کیا۔ باہر گئے قربانی کر دی.

احرام کھول دیا اور حجام کو بلوا کر بال منڈوا (یا ترشوا) لیے۔

مسلمانوں نے جب آپ ﷺ کے اس عمل کو دیکھا تو وہ بھی اٹھے، اور سنت نبوی ﷺ کی پیروی میں قربانیاں بھی کر ڈالیں، احرام بھی کھول دیے اور پھر بعض نے اپنے سر منڈوانے اور بعض نے ترشوائے۔

اس کے بعد واپسی عمل میں آئی۔ جب یہ قافلہ واپسی کے سفر میں کراع الغمیم کے مقام پر پہنچا تو سورہ فتح نازل ہوئی:

ترجمہ: ''یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے، تاکہ دور فرما دے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے اور مکمل فرما دے اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر۔''

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ آیات سنائیں تو وہ بہت خوش ہوئے، اور ان کے دلوں میں سے سارا غم اور تکدر دور ہو گیا۔ اس وحی الٰہی کے نازل ہونے پر حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا:

''یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ واقعی فتح مبین ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں یہ فتح مبین ہے۔''

لیکن حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ فتح کیسے اور کہاں سے ہوگی؟

قدیم مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس ''فتح مبین'' سے کیا مراد، یا کون سی فتح مراد ہے۔ اکثر و بیشتر مفسرین نے اس سے صلح حدیبیہ مراد لی ہے۔ اگرچہ اس وقت حدیبیہ کے عہدنامہ میں فتح کی کوئی ایسی علامت موجود نہ تھی لیکن قیام حدیبیہ کے عہد

نامہ میں فتح کے حالات نے ڈرامائی انداز میں پلٹا کھایا وہ نہایت تعجب خیز ہے۔

غور فرمائیے! وہ قریش مکہ جو جنگ پر تلے ہوئے تھے، جنگ کے لیے ہر قسم کی تیاریاں کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے حلیفوں تک کو اپنی امداد کے لیے بلا چکے تھے اور مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور عمرہ ادا کرنے کی اجازت دینے پر آمادہ نہ تھے، لیکن جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، قدم بقدم حالات بدلتے گئے اور حالات ایسے پلٹے کہ قریش کی ساری ہوا نکل گئی، اور وہ خود صلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے، اور اس طرح دوسری باتوں کے علاوہ مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان دس برس تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ طے پایا گیا۔

اگر یہ صلح نہ ہوتی اور جنگ ہو جاتی تو ان مسلمانوں کو جن کے پاس تلواروں کے سوا کوئی دوسرا کارآمد ہتھیار نہ تھا۔ جو صرف عمرہ کی کرنے کی نیت سے چلے تھے، جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے، اور اپنے وطن سے اڑھائی سو میل دوران کو کسی طرف سے کسی قسم کی امداد ملنے کی کوئی امید نہ تھی، اس جنگ میں نہایت سخت مشکلات اور بہت زیادہ جانی نقصان اٹھانا پڑتا۔ گو اس میں شکست کا بھی امکان تھا، مگر ہم شکست کا ذکر اس لیے نہیں کرتے کہ خود قرآن حکیم نے اس بارے میں فرمایا ہے:

ترجمہ: "اور اگر جنگ کرتے تم سے یہ کفار تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے۔"

(الفتح: ۲۲)

پس ہمارے نزدیک اس صلح اور جنگ نہ کرنے کی شرط میں دشمن کے ہاتھ باندھ دینا بھی مسلمانوں کے لیے ایک کھلی فتح تھی۔

دورانِ جنگ یا بغیر جنگ کے بھی، کوئی صلح کا معاہدہ عموماً اس صورت میں طے پایا کرتا ہے، جب دونوں فریق برابر کی ٹکر کے ہوں یا دونوں کا مفاد اس صلح میں ہو، ورنہ صلح محال ہوا کرتی ہے، زور آور یا طاقتور فریق صلح نہیں کرتا۔ اپنی شرائط منوایا

کرتا ہے۔ یہاں طاقتور فریق کی طرف سے صلح کی درخواست۔ کیا انہونی بات نہیں ہے۔ یہ صلح رسول اللہ ﷺ کے حسن تدبر اور ماہرانہ جنگی حکمت عملی کی وجہ سے عمل میں آئی ہے۔ اس لحاظ سے اسے مسلمانوں کی ایک عظیم فتح کہہ سکتے ہیں، اور بعد میں مسلمانوں کو اس معاہدے کی وجہ سے جو فوائد اور فتوحات حاصل ہوئیں، ان کے پیش نظر اسے فتح مبین کہنا بالکل بجا ہے۔

معاہدہ کی دوسری شق کے تحت ایک دوسرے سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا گیا تھا۔ یہ معاہدہ مسلمانوں کے لیے اس اعتبار سے مفید تھا کہ وہ یہودیوں سے فیصلہ کن طور پر نبرد آزما ہو سکتے تھے، اور ایسے وقت میں مکہ کے محاذ کی طرف سے خطرہ نہ ہو۔ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد مدینہ منورہ واپسی پر مسلمانوں نے خیبر کے قلعے فتح کر لیے، جو یہودیوں کی طاقت کے مراکز تھے، اور فتح خیبر کے بعد یہودیوں سے دوسری جنگیں بھی ہوئیں۔ یہودیوں کے مسئلہ سے قطع نظر رسول اللہ ﷺ کو عربوں میں تبلیغ اسلام کے لیے امن و امان کی فضاء درکار تھی۔ جنگ وجدل کی حالت میں نہ تبلیغ ہو سکتی تھی نہ اثر پیدا کر سکتی تھی۔ لوگ ٹھنڈے دل سے حقائق پر غور و فکر کے لیے اس وقت تیار ہو سکتے ہیں، جب امن و امان کی حالت ہو۔ اس امن و امان کی فضا ہی میں باہمی تعلقات بھی پیدا ہو سکتے ہیں، اور دوسروں کو اپنے نقطہ نظر سے بھی متاثر کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد بڑا تبلیغی کام ہوا۔ صلح حدیبیہ کے دو سال کے عرصے میں اسلام جس قدر پھیلا۔ وہ پچھلے اٹھارہ انیس سال کے عرصے میں بھی نہیں پھیلا تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیسی ممتاز شخصیات واقعہ حدیبیہ کے بعد ہی حلقہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ دونوں طرف اس امن و امان سے یہ فائدہ بھی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو بیرونی ممالک اور عرب ریاستوں کے امراء کو بھی

اسلام کی دعوت دینے کا موقع ملا، اور گردونواح کے بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کو دعوتی خطوط لکھے گئے اور وفود بھیجے گئے۔ اس کے علاوہ امن وامان کے اس عرصے میں معاشرتی اصلاح کے بھی کام کیے گئے مثلاً شراب اس کے بعد حرام کی گئی۔

معاہدہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ مسلمانوں میں سے جو شخص مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا آئے وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ مرتد لوگ اسلامی معاشرہ کے کسی مصرف کے نہیں تھے بلکہ ان کا مدینہ منورہ میں رہنا زیادہ خطرناک تھا۔ اس لحاظ سے یہ شرط مسلمانوں کے مفاد کے عین مطابق تھی کہ جسے اسلام پسند نہیں ہے وہ اسلامی معاشرہ میں نہ رہے۔ معاہدہ کی ایک اہم دفعہ یہ بھی تھی کہ عرب قبائل فریقین میں سے جس سے پسند کریں معاہدہ کر سکتے ہیں، دوسرا فریق اس میں رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔ اس دفعہ کے تحت پہلے پہل اہل مکہ نے مسلمانوں کی سیاسی طاقت اور حیثیت کو باضابطہ طور پر تسلیم کیا۔ ورنہ اب تک انہیں باغی اور سرکش سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے، لیکن اب ان کو برابر کا ایک فریق تسلیم کیا گیا۔ جس سے دوسرے عرب قبائل معاہدہ کر سکتے ہیں، اور یہ بڑی اہم بات تھی، کئی عرب قبائل ایسے تھے کہ وہ مسلمانوں سے جنگ وجدل کی پالیسی سے بیزار تھے اور مصالحت سے رہنا چاہتے تھے، لیکن قریش انہیں ایسا نہیں کرنے دیتے تھے۔ اب ان قبائل کو یہ موقع اور حق مل گیا کہ وہ مسلمانوں سے معاہدہ کریں، چنانچہ صلح حدیبیہ ہی کے موقع پر قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں سے دوستی کا معاہدہ کیا اور بعد میں دوسرے کئی قبائل نے اس نوعیت کے معاہدے کیے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کو سیاسی طاقت کی توسیع اور استحکام میں مدد ملی۔

معاہدہ کی ایک اور دفعہ کی رو سے مسلمانوں کو یہ حق بھی مل گیا کہ وہ آئندہ سال سے زیارت کعبہ کے لیے مکہ مکرمہ میں آسکیں گے اور یہ واقعی فتح مبین تھی۔ بلاشبہ وہ اس سال زیارت کعبہ سے محروم رہے، لیکن وقتی محرومی کوئی چیز نہیں۔ ایک سال کا عرصہ

قومی زندگی میں کچھ نہیں ہوتا۔ جنگ و جدل کر کے یا حالات میں تصادم و ٹکراؤ کی نفرتیں پیدا کر کے، مسلمان زیارت کعبہ کرتے بھی تو اس سے اصل مقصد کے لیے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک سال کی محرومی کو گوارہ کر کے آئندہ سال سے پرامن طریقے پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونا ہر لحاظ سے بہتر تھا۔

یہ حدیبیہ کا عہد نامہ ہی تھا جس کی ایک شرط کی وجہ سے قریش مکہ کے ہاتھ خیبر کے یہودیوں کی امداد سے روک دیے گئے تھے، اور اس کی ایک اور شق کی بنیاد پر مکہ مکرمہ کے نواح کے بعض قبائل اگر قریش کے حلیف بن گئے تو کچھ قبائل مسلمانوں کے بھی حلیف ہو گئے، جو اس عہد نامہ کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس بناء پر حدیبیہ کا عہد نامہ مسلمانوں کی گوناگوں کامیابیوں کا دروازہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے کمال تدبر، دور اندیشی اور اعلیٰ درجے کی فوجی اور انتظامی مہارت کا آئینہ دار۔

❀

حدیبیہ کے عہد نامہ کی تحریر و توثیق کے موقع پر مسلمانوں کے دلوں کی جو کیفیت تھی، اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ قرآن حکیم نے اس کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

ترجمہ: ''پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر۔'' (الفتح:۱۸)

مسلمانوں کو یہ سکون اور اطمینان سورہ فتح کے نازل ہونے پر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اثابھم فتحًا قریبًا کے مصداق ان کو اس کے بدلے میں ایک قریبی فتح سے نوازا۔ یہ قریب میں یا جلد ہی ملنے والی فتح، خیبر کی فتح تھی۔

مسلمان بخیر و عافیت مدینہ منورہ پہنچے تو وہ لوگ جو مکہ مکرمہ کے اس سفر میں ان کے ساتھ شامل نہ ہوئے تھے، اور خوف کے مارے پیچھے اپنے دیہات میں رہ گئے تھے کہ یہ مسلمان زندہ و سلامت اپنے بال بچوں کے پاس واپس نہیں آئیں گے۔

قرآن حکیم نے ان کے ان دلی خیالات کاذکر یوں فرمایا ہے:

ترجمہ: "اور بڑا خوشنما لگتا تھا یہ ظن (فاسد) تمہارے دلوں کو اور تم طرح طرح کے برے خیالوں میں مگن تھے۔"

چنانچہ مسلمانوں کی واپسی پر ان کا گمان غلط ثابت ہوا۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کی واپسی کے سفر ہی میں، جب سورہ فتح نازل ہوئی ان لوگوں کے بارے میں پیش گوئی فرمادی:

ترجمہ: "عنقریب آپ سے عرض کریں گے وہ دیہاتی جو پیچھے چھوڑے گئے تھے ہمیں بہت مشغول رکھا ہمارے مالوں اور اہل وعیال نے پس ہمارے لیے معافی طلب کریں۔" (الفتح:۱۱)

ظاہراً ان لوگوں کا عذر معقول نظر آتا ہے، کیونکہ یہ اعراب صحراؤں میں چھوٹی چھوٹی اور دور دراز بستیوں میں رہتے تھے، جہاں مردوں کی غیر موجودگی میں بدوؤں کی یورشوں اور لوٹ مار کا خطرہ رہتا تھا، لیکن قرآن حکیم پہلے ہی یہ کہہ کر منافقت کا پردہ چاک کر دیتا ہے:

ترجمہ: "یہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔" (الفتح:۱۱)

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی مسلمان جب بخیر وعافیت مدینہ منورہ پہنچ گئے تو انہیں کچھ زیادہ دنوں تک گھروں میں آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اطلاع ملی کہ وہ یہودی جن کو مدینہ سے دیس نکالا ملا تھا، دوسرے یہودیوں کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر پھر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے اپنے مجاہدین کو پھر سے خیبر کے سفر کے لیے تیار ہو جانے کا حکم دیا، جو بیعت رضوان میں شامل تھے

البتہ کچھ خواتین کو بھی ساتھ لے لیا گیا جو مرہم پٹی اور دیگر ہلکے کام کر سکتی تھیں۔

قرآن حکیم نے مدینہ منورہ کے راستے میں نازل ہونے والی آیت میں قریبی فتح یعنی فتح خیبر ہی کا ذکر نہیں فرمایا تھا بلکہ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا تھا:

ترجمہ: ''(اے غلامانِ مصطفیٰ) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم (اپنے اپنے وقت پر) حاصل کرو گے۔''

(الفتح:۲۰)

حکمت الٰہی یہ تھی کہ یہ آیات یقیناً جوار مدینہ کے منافق بھی سنیں گے اور انہیں اب کے یقین ہو گا کہ اس موقع پر مسلمانوں کو فتح کے ساتھ ساتھ کثرت کے ساتھ مال غنیمت بھی ملنے والا ہے، اور یہ لوگ اس مال غنیمت میں حصہ دار بننے کے لیے بے تاب ہو جائیں گے۔ اس لیے قرآن حکیم نے ان کے بارے میں پہلے ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ فرما دیا کہ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر کہیں گے:

''ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس ہونے والی لڑائی میں شامل ہو جائیں گے۔)''

(الفتح:۱۵)

اس فتح قریب اور مغانم کثیرہ کا وعدہ بیعت رضوان والوں کے لیے خاص تھا اس لیے قرآن فرماتا ہے:

''یعنی کہ ان لوگوں کا جنگ خیبر میں شامل ہونے کی اجازت مانگنے کا مطلب یہ ہے گویا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کہی ہوئی بات یعنی اس وعدے کو جو بیعت رضوان والے جاں نثاروں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس طرح بدل دینا چاہتے ہیں کہ اس میں ان کے لیے بھی گنجائش پیدا ہو جائے۔''

چنانچہ قرآن حکیم نے پہلے ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمادیا کہ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان سے کہیے:

"تم قطعاً ہمارے پیچھے نہیں آسکتے یونہی فرمادیا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے۔" (تم کو جب اس سے پہلے مکہ کی طرف جانے کو کہا گیا تھا تو تم نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا اور گھروں میں بیٹھ رہے تھے۔ اب کس منہ سے ہمارے ساتھ جانے کی اجازت مانگ رہے ہو؟)" (الفتح:۱۵)

حدیبیہ کے عہدنامہ کی رو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں کو قریش مکہ اور ان کے حلیفوں کی طرف سے تو کوئی خطرہ نہیں رہا تھا، لیکن ایک اور طاقتور قبیلہ بنوغطفان کی طرف سے خطرہ باقی تھا۔ جنگ احزاب میں بھی یہ لوگ کفار کی امداد کو آئے تھے۔ چنانچہ اسلام کے ان چودہ سو سرفروشوں کے سپہ سالار نے اپنے ایک تجربہ کار جنرل حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے فوج کا پڑاؤ ایک ایسی جگہ ڈالا جو خیبر کے اور بنو غطفان کے درمیان راستے میں واقع تھا، تاکہ اگر بنوغطفان کے لوگ یہودیوں کی امداد کو آئیں تو ان کو روکا جاسکے۔

یہ تدبیر بہت کارگر ثابت ہوئی۔ غطفان کے لوگ یہودیوں کی امداد کے لیے تیار ہو کر روانہ ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر ان کا راستہ روکے ان سے ٹکر لینے کو تیار کھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں جنگ کے انجام کے بارے میں غیر یقینی کیفیت اور مسلمانوں کا رعب ڈال دیا، اور وہ لوگ راستے ہی سے لوٹ گئے۔ اس طرح مسلمانوں کی اس جنگی پیش بندی نے یہودیوں کی امداد کا یہ دوسرا ذریعہ بھی ختم کر دیا۔

غزوہ خیبر کا انجام قرآن حکیم کی پیش گوئی کے عین مطابق رہا۔ اس غزوہ میں ان مجاہدین کو فتح ہی حاصل نہ ہوئی بلکہ کثیر اموال غنیمت بھی ہاتھ آئے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو وہاں زرخیز زمینیں بھی عطا ہوئیں۔ یہ سب وہ "مغانم کثیرہ" تھے، جن سے مسلمانوں کی مفلسی اور تنگدستی کا خاتمہ ہو گیا۔

جب مشرکین، حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو پابہ زنجیر واپس مکہ مکرمہ لے گئے تو انہوں نے وہاں قید ہی میں تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان اور ان کی تقریر میں ایسا اثر ڈال دیا کہ جو کوئی توجہ سے سنتا، اسلام لے آتا، اس طرح حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے ایک سال کے اندر تقریباً سو مشرکوں کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا۔

قریش نے جب یہ دیکھا کہ یہ شخص ہماری قید میں رہ کر ہمارے اندر سوراخ بنا رہا ہے تو مشورہ کر کے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ اسلام لے آنے والوں کو مکہ سے نکال دیا۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی، عہد نامہ کی رو سے مدینہ منورہ میں نہیں رہ سکتے تھے، اس لیے انہوں نے مکہ مکرمہ سے شام جانے والی شاہراہ پر ایک پہاڑی پر قبضہ کر کے وہاں ڈیرہ جمالیا، اور قریش کے ان قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا جو اس طرف آتے جاتے تھے۔ اس طرح وہ قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے ایک عظیم خطرہ بن گئے۔

پھر ایسا ہی ایک اور واقعہ پیش آیا، ایک مسلمان حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ جو اہل مکہ کی قید میں تھے، بھاگ کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ قریش نے اپنے دو آدمی مدینہ منورہ بھیجے کہ عہد نامہ کے مطابق ان کو واپس کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے کر دیا۔ وہ دونوں حضرات ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو غیر مسلح کر کے اپنے ساتھ لے چلے جب یہ لوگ مدینہ منورہ کی حدود سے کچھ دور نکل گئے تو حضرت

ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ایک کی تلوار چھین کر ان میں سے ایک کو مار ڈالا اور دوسرا بھاگ کر واپس مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچا اور حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا۔ اتنے میں خود حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ معاملہ اس کے خلاف جا رہا ہے، اور رسول اللہ ﷺ پھر انہیں قریش کے حوالے کرنے والے ہیں تو وہ وہاں سے بھاگ نکلے اور سیدھے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ سے جا ملے کیونکہ وہ جگہ اب حدیبیہ کی اسی شرط کے خلاف بھاگنے والوں کا مرکز بن گئی تھی، اور اس طرح وہ لوگ قریش کے لیے ایک عظیم خطرہ بنتے جا رہے تھے۔ اس وقت قریش نے محسوس کیا کہ انہوں نے عہد نامہ میں بھاگنے والوں کی واپسی کی شرط رکھ کر بڑی غلطی کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے تو اس شرط کے بارے اسی وقت فرما دیا تھا:

"اگر ان لوگوں کا کوئی آدمی ہم سے بھاگ کر جائے، تو اس میں ہمارا کیا نقصان ہے۔ مشرک شخص تھا، دفع ہو گیا، اور رہے ہمارے آدمی، سو ان کے لیے اللہ کوئی راہ نکال دے گا۔"

اور وہ راہ یہ تھی کہ قریش نے اس شرط پر پشیمان ہو کر اپنے کچھ منتخب آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں مدینہ منورہ بھیجے اور کہا:

"ہم اس شرط سے دستبردار ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ بھی اسے ختم کر دیں۔"

لیکن آپ ﷺ نے معاہدے کے خلاف عمل کو پسند نہ فرمایا۔ اس وقت بات مسلمانوں کی سمجھ میں آ گئی کہ جو شرط ہمیں سب سے زیادہ کڑی اور ناپسندیدہ محسوس ہوئی تھی، وہی قریش مکہ کے لیے ایک پھانس بن گئی ہے۔

کچھ عرصہ بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام ساتھیوں کو مدینہ منورہ بلوا لیا۔

6ھ میں ہونے والے اس عہدنامہ کی پانچویں شق کا نتیجہ بھی اہم اور ضروری ثابت ہوئی۔

عہدنامہ کی دوسری اور تیسری شق، یعنی صلح اور امن ہو جانے اور قبائل کی آزادی کا مسلمانوں کو ایک بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ وہ مشرکین مکہ کے علاوہ قبائل کے لوگوں سے آزادی سے ملنے جلنے لگے۔ وہ قبائل جو اس سے پہلے قریش کی وجہ سے مسلمانوں سے ملنے میں ہچکچاتے تھے، آزادی سے مسلمانوں کے یہاں آنے جانے لگے۔ اس طرح مسلمانوں کو کھلا موقع مل گیا کہ وہ ان لوگوں سے اسلام کی حقیقت بیان کر سکیں، اور انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کر سکیں۔ تبلیغ کی اس کھلی چھٹی کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام عرب اسلام کی سچائی سے واقف اور کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے۔ دور کے قبائل تو ایک طرف، خود مکہ کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ ان میں دنیا کے عظیم سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے نام خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ یہ تینوں اصحاب فتح مکہ سے پہلے ایمان لے آئے تھے۔ جب یہ تینوں اصحاب اکٹھے ہو کر ایمان لانے کے لیے مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا تھا:

"مکہ نے اپنے تین جگر گوشے تمہاری طرف پھینک دیے ہیں۔"

حدیبیہ کے موقع پر موجود مسلمانوں کی تعداد چودہ سو یا پھر پندرہ سو تھی، مگر یہ مسلمانوں کی کل تعداد نہیں تھی۔ مسلمانوں کی تعداد کا صحیح شمار جنگ احزاب کے موقع پر ہوا تھا۔ جب خندق کھودتے وقت ان کے تین ہزار آدمی اس کام پر لگے ہوئے تھے۔ تاہم عام اعلان کے باوجود عمرہ کے لیے چودہ یا پندرہ سو آدمی ہی سامنے آئے تھے، لیکن حدیبیہ کی صلح کو ابھی دو سال بھی نہیں پورے ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو مکہ پر لشکر کشی کرنا

پڑی تو اس وقت دس ہزار مجاہد رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔

یہ کامیابی صلح حدیبیہ ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اس معاہدے کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ نے امن و اطمینان کی فضاء میں بیٹھ کر عرب کے روٗسا اور بڑے بڑے بادشاہوں کے نام وہ تاریخی خطوط ارسال فرمائے جو دور دراز علاقوں اور ممالک میں اسلام کی پہلی دعوت، پہلی پکار تھی۔ جس پر بعض نے لبیک کہا اور بعض نے انکار کیا یوں اسلام کے لیے راہیں کھل گئیں۔

اس عہدنامہ کے مطابق مسلمان اگلے سال 7ھ میں عمرہ کے لیے گئے۔ اب ان کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ اہل مکہ نے ان کی آمد پر شہر خالی کر دیا۔ مسلمان تین تک نہایت امن، عزت اور وقار کے ساتھ وہاں رہے اور پھر واپس چلے گئے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا خواب، جو ایک وحی تھا، پورا ہوا۔

حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ میں جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا:

"کیا آپ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم مسجد الحرام میں داخل ہوں گے اور طواف کریں گے۔"

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ہاں، میں نے فرمایا تھا لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ اس سال ہوگا؟"

حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ بات پوری ہو کر رہے گی۔"

اور قرآن حکیم نے بھی یہ فرمایا:

ترجمہ: "یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ۔"

❀

مکہ کے عقبہ بن ابی معیط کی صاحبزادی مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ آ گئی تھیں، مسلمانوں نے واپس کرنے سے انکار کیا اور کہا:

''معاہدہ کی مذکورہ دفعہ کا اطلاق مردوں پر ہوتا ہے، خواتین پر نہیں۔''

مسلمانوں کا یہ اقدام وحی الٰہی کے مطابق قریش نے بڑی بحث و تمحیص کے بعد آخر مان لیا کہ خواتین پر اس دفعہ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ یہ دفعہ فقط مردوں کے لیے رہ گئی تھی، اور وہ بھی بعد میں قریش کی درخواست پر ختم کر دی گئی تھی اور وقت نے ثابت کر دیا کہ صلح حدیبیہ جسے مسلمان معاہدہ شکست سمجھ رہے تھے، واقعی فتح مبین تھی۔

❀

ہجرت کے ساتویں سال ماہ ذیقعدہ کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ سفر مکہ کے لیے اپنے کجاوے باندھ لیں تاکہ وہ عمرہ جو قریش کے ساتھ معاہدہ کر لینے کی وجہ سے ادا نہ ہوا تھا اس کی قضا کی جائے۔ حکم ہوتے ہی لوگ فوراً تیار ہو گئے۔ بچوں، خواتین اور خدمت گاروں کے علاوہ ان کی تعداد دو ہزار تھی۔ قرار پایا کہ قربانی کے لیے ساٹھ اونٹ مخصوص کر لیے جائیں۔ ان کی گردنوں میں امتیازی قلادے باندھ دیے گئے، اور ان کی نگہبانی کا کام حضرت ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔ لڑائی کا ساز و سامان حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ اس طرح ایک سو عمدہ گھوڑے رئیس الحرس حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں رکھے گئے۔ جب کوچ کا وقت قریب ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

''پہلے تم اپنا رسالہ لے کر حدودِ مکہ کی طرف بڑھو اور وہاں ایک مقام پر ڈیرے ڈال دو۔''

قریش ان دنوں ادھر ادھر سے سراغرسانی میں مصروف رہتے تھے۔ ان

کے جاسوس تمام راستوں پر جیش اسلام کی آمد کے منتظر رہتے تھے جب حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس مقام پر نمودار ہوئے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے پر مامور ہوئے تھے، اوران سے قریش کے جاسوسوں نے دریافت کیا:

"تمہارے ہاں یہ سواروں کا دستہ کیوں آیا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"صبح انشاءاللہ تعالیٰ رسول خدا ﷺ اس مقام پر تشریف لائیں گے۔"

وہ لوگ اسی وقت دہشت ناک خبر کی اطلاع دینے اپنی قوم کی طرف بھاگے اور جا کر کہا:

"اے قوم! لشکر اسلام کا طلایہ آپہنچا ہے، تم اپنا بچاؤ کرلو، ہتھیار سنبھال لو اور دیکھو کیا کرنا ہے۔"

اس خبر نے قریش میں جوش وخروش پیدا کر دیا اور ہیجان کی انتہا نہ رہی لیکن قوم کے بزرگ اور اہل الرائے یہ کہہ کر اس تندی و تیزی کو کم کر رہے تھے:

"اس قدر گھبرانا مناسب نہیں۔ ہم نے کوئی نئی شرارت نہیں کی۔

ہم اپنے عہد پر قائم ہیں۔ پھر محمد (ﷺ) ہم سے کیوں لڑے گا۔"

چنانچہ قریش نے طے کیا کہ محمد ﷺ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا جائے جو اصلی اور یقینی خبر لے کر آئے۔

پس مکرز بن حفص کی سرکردگی میں ایک وفد روانہ ہوا۔ جو رسول اللہ ﷺ سے راستے میں ملا۔ قربانی کے اونٹوں کے ساتھ ہتھیاروں کی نمائش دیکھ کر ان لوگوں پر رعب طاری ہوگیا۔ بارہ گاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے محمد (ﷺ) خدا کی قسم ہم نے تجھے عہد طفولیت یا سن بزرگی میں کبھی بے وفا نہیں دیکھا اب تم (ﷺ) اپنی قوم پر حرم میں

ہتھیار لے کر آ رہے ہو، دیکھو تم اسے امن دے چکے ہو، اور وہ تمہیں امن دے چکی ہے اور تم یہ شرط مان چکے ہو کہ صرف مسافرت کے ہتھیاروں میں ان کے پاس آؤ گے، تلواریں اپنے میانوں میں ہوں گی۔"

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

"جب تک وہ لوگ طریق وفا پر قائم رہیں گے، ہم کبھی ہتھیار لے کر مکہ میں نہ جائیں گے اور جو ہتھیار تم دیکھ رہے ہو، انہیں ہم باہر چھوڑ کر جائیں گے، تا کہ ضرورت کے وقت ہم ان سے کام لے سکیں۔"

انہوں نے کہا:

"آپ (ﷺ) ہمیشہ ایسے ہی نیکوکار اور وفادار ثابت ہوئے ہیں۔"

"محمد (ﷺ) اپنے عہد پر قائم ہیں، جب تک تم وفادار رہو گئے، وہ بھی اپنے عہد سے کبھی نہیں پھرے گا۔"

پھر وہ اطمینان کی بشارت لے کر اپنی قوم کے پاس گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مقام پر جسے بطن ناجح کہا جاتا ہے۔

ہتھیار اتار دینے کا حکم دیا اور دو سو افراد کا ایک دستہ حضرت اوس بن خولہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا اور حجون کی راہ سے نکل کر مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے حسب الحکم ایک خیمہ ابطح میں لگا دیا گیا۔ ادھر قریش کا ایک حصہ شہر سے اس لیے نکل گیا کہ مسلمانوں کی شوکت کا نظارہ نہ کرنا پڑے اور ایک حصہ شہر ہی میں رہ گیا۔ اب مسلمان مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت قریش صف در صف دار الندوہ میں موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ناقہ (قصوا) پر طواف شروع کیا۔ آگے آگے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ تلواریں لٹکائے ہوئے اور آپ ﷺ کو اس طرح حلقے میں لیے ہوئے جیسے چاند کو ہالہ اور پھول کو اس کا پیالہ۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ناقہ رسول کی زمام تھامے ہوئے اپنے اشعار پڑھنے لگے:

اے کفر کے بیٹو، ہٹو اس راہ سے جلد
ہٹ جاؤ، کہ اللہ کا آتا ہے رسولؐ
اے شر کے وجود آج یہاں سے ہو فرار
رہ چھوڑ کہ ہے خیر مجسم کا نزول
رحماں نے یہ قرآن میں کیا ہے نازل
(اس بار کے مومن میں بصد جاں حمول)
جو راہ اللہ کی ہو قتل و جدال
اچھا ہے وہی اور وہی سب سے مقبول
اس نص کی تاویل میں ماریں گے تمہیں
ارشاد خدا کی ہمیں کب تاب عدول
زر کا ہے نہ زن کا نہ زمیں کا جھگڑا
یہ ضربت شمشیر ہے اک ضرب اصول
قرآن پہ یا رب میرا ایمان نہ ہو کیوں
حق دیکھا ہے میں نے اسے کرنے میں قبول

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو لوگ طواف سے فارغ ہو چکے ہیں، ان میں سے دو سو جا کر اپنے بھائیوں کی قائم مقامی کریں جو ہتھیاروں کی نگہبانی کر

رہے ہیں، تاکہ وہ بھی آ کر اپنے مناسک پورے کر سکیں۔"

❀

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں تین روز تک قیام فرمایا۔ ان تین دنوں میں بہت سے اہل مکہ اسلام میں داخل ہوئے۔ قریش اس واقعہ سے بے حد گھبرائے، اور تیسرے دن عصر ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے دو ایلچی بھیجے۔ سہیل بن عمرو عامری اور حویطب بن عبد العزیٰ اور ان کے ہمراہ چند افراد۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا:

"تم اپنے چچا کے بیٹے سے اختتام مدت پر نکل جانے کی بات کرو۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم خود رسول اللہ ﷺ سے بات کرو۔"

چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے بات کر رہے تھے۔ حویطب نے چلا کر کہا:

"میں آپ (ﷺ) کو اللہ کا اور عہد کا واسطہ دیتا ہوں، ہماری سر زمین سے نکل جائیں۔ تین دن ہو گئے ہیں۔"

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اس بات پر غصہ آیا۔ ڈانٹ کر اسے جواب دیا:

"او بے ادب! تو جھوٹ کہتا ہے، زمین تیری نہیں، تیرے باپ کی نہیں، بخدا وہ یہاں سے بغیر اپنی مرضی کے نہیں نکلیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تعلیماً فرمایا:

"سعد (رضی اللہ عنہ) ان لوگوں کو مت ستاؤ جو ہمارے ڈیروں پر ہم سے ملنے آئے ہیں۔"

پھر حویطب سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"آپ لوگوں کا کیا حرج ہے، اگر چند روز اور ہمیں اپنے درمیان رہنے دیں اور ہم ایک ضیافت دیں جسے ہم اور آپ برابر بیٹھ کر کھائیں۔"

حویطب نے جواب دیا:

"ہمیں آپ (ﷺ) کے کھانے کی کوئی حاجت نہیں، براہ خدا آپ (ﷺ) یہاں سے نکل جائیں، تین دن گزر چکے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے جواب دیا:

"ہم انشاء اللہ شام کو چلے جائیں گے۔"

پھر فرمایا:

"لوگوں میں کوچ کا اعلان کر دیا جائے۔"

جب دیگر قبائل نے رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کی عہد پروری اور وعدے کی پاسداری کا اظہار دیکھا تو آپ ﷺ سے معاہدات کرنے پر راغب ہوئے اور رسول اللہ ﷺ اور ان کے قبائل کے درمیان دوستی کے رشتے مضبوط ہو گئے حتیٰ کہ آپ ﷺ مشکل گھڑی میں ان کے بہترین یاور اور وہ حاجت کے وقت آپ ﷺ کے مددگار رہے۔

❀

پہلا قبیلہ جس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دوستی کا رشتہ استوار کرنے کی کوشش کی، خزاعہ تھا۔ وہ بہت جلد مسلمانوں کا حلیف بن گیا۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس معاہدہ کی ایک یہ بھی شرط تھی کہ جو لوگ قریش کے عہد میں داخل ہونا چاہیں یا محمد ﷺ کے عہد میں، اس میں داخل ہو جائیں۔ اس شرط کی بناء پر ادھر قریش اور بنو بکر ایک دوسرے کے حلیف بنے اور دوسری طرف بنو خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پسند کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنو خزاعہ جاہلیت میں بھی رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے حلیف تھے۔ ان کے سردار

بدیل بن ورقا سفارت لے کر آئے۔

جب یہ وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گفتگو کا آغاز ہوا تو اس نے پہلے وہ حلف نامہ پیش کیا جو جاہلیت میں طے پایا تھا۔ ابی بن کعب نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے پڑھ کر سنایا یہ عہد نامہ حسب ذیل تھا:

بسمك اللّٰهم!

"یہ حلف عبدالمطلب بن ہاشم کا خزاعہ کے لیے ایک جامع حلف ہے۔ بڑوں چھوٹوں اور حاضر و غائب میں تفرقہ انداز نہیں ہے۔ فریقین نے ایسا پائیدار عہد اور پختہ عقد آپس میں باندھا ہے کہ جب تک آفتاب کوہ ثبیر پر طلوع کرتا، شتر بیابان کے شوق میں مرتا رہے گا اور جب تک خشیا اپنی جگہ پر قائم اور انسان مکہ کی زیارت کا عزم کرتے رہیں گے اس میں شکستگی اور بریدگی راہ نہ پائے گی۔ یہ حلف رہتی دنیا تک برقرار رہے گا۔ سورج کا طلوع اس کو مضبوط کرتا رہے گا، اور رات کی تاریکی اسے دراز کرتی رہے گی۔ عبدالمطلب پر اپنے تابعین کی معیت میں ہر طالب امدادی کی نصرت واجب ہے اور خزاعہ پر تمام عرب کے مقابل شرقاً یا مغرباً باہر مقام پر عبدالمطلب اس کی اولاد اور اس کے ساتھیوں کی نصرت لازم ہے اور اس معاہدے پر ان سب نے اللہ کو ضامن کیا ہے اور اللہ کی ضمانت کافی ہے۔"

دونوں طرف سے اس معاہدے کی تجدید و توثیق عمل میں آگئی۔ تاہم رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط لگا دی کہ وہ کسی ظالم کی مدد نہیں کریں گے، مظلوم ہی کی نصرت فرمائیں گے۔

❀

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ معاہدہ حدیبیہ میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ مسلمانوں میں دس برس تک لڑائی موقوف رہے گی، لیکن قریش جو ہمیشہ مسلمانوں کو ستانے اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے تھے، ان کی عداوت انہیں کس طرح گوارہ کر سکتی تھی لہٰذا اب انہوں نے دوسروں کی اوٹ میں مسلمانوں کے خلاف غارت گری اور دل آزاری کی راہ نکالنا چاہی۔

بنو بکر نے قریش کے ساتھ حلف کر لیا تھا، اور قریش کو اس بات کا بھی علم تھا کہ بنو بکر اور بنو خزاعہ کے مابین کس قدر جدی اور موروثی عداوت ہے۔ اس لیے انہوں نے بنو بکر کو اکسا کر خزاعہ پر جنگ پر آمادہ کر دیا۔

بنو بکر نے قریش کے ساتھ جو پختہ ویز کی تھی۔ اس کے مطابق تیاری کی اور نوفل بن معاویہ دیلمی کی پیشوائی میں چل کر خزاعہ کے ایک "پانی" پر جسے "وتیر" کہتے تھے۔ ڈیرے ڈال دیے۔ پھر انہوں نے ایک شخص اس تاکید کے ساتھ بھیجا کہ وہ خزاعہ کے ہاں جا کر رسول اللہ ﷺ کی ہجو کے گیت گائے۔ جب بنی خزاعیوں نے بنو بکر کے رفیق کا یہ گیت سنا، ان میں سے ایک آدمی ضبط کی تاب نہ لا کر اس گویے کے پاس گیا اور عہد کی پاسداری کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کا سر پھوڑ دیا۔

بنو بکر جسے لڑائی مول لینے والوں کے لیے جی بھر کر ظلم و خونریزی کا ارتکاب کرنے کے لیے یہ بہانہ کافی تھا۔ قریش پوشیدہ طور پر اپنے حلیفوں کے ساتھ شامل ہو گئے، اور اپنے مردوں اور ہتھیاروں کی امداد پہنچائی۔ حتیٰ کہ تین قریش سردار صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو بھی اس جنگ میں شریک ہوئے۔ سہیل بن عمرو وہی شخص تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ حدیبیہ طے کیا تھا (بعد میں یہ شخص مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاروں میں سرفہرست ان کا نام لیا جاتا تھا)

بنوخزاعہ نے بچنے کے لیے بھاگ کر حرم کی پناہ لی مگر بنی بکر کے سردار نے، باوجود یہ کہ اس کی قوم احترام حرم کی ضرورت پر متنبہ کرتی رہی، حرمت حرم کی نگہداشت سے سر پھیر دیا اور لڑائی کی آگ بھڑکتی رہی۔ کوئی چارہ نہ پا کر بنوخزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں فریاد کرنے کی ٹھانی اور اپنے شاعر عمر بن سالم خزاعی کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ یہ شاعر ان خزاعیوں میں سے تھا، جو مسلمان ہو چکے تھے عمر بن سالم چھپتا چھپاتا چل نکلا تاکہ قریش سراغ پا کر مقابل نہ آجائیں۔

❀

رسول اللہ ﷺ رات کی نماز کے لیے گھر میں وضو فرما رہے تھے کہ آپ ﷺ کی زوجہ نے سنا۔ آپ ﷺ کہہ رہے تھے:

"لبیک لبیک، نصرت نصرت۔"

(میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیری مدد کی جائے گی، تیری مدد کی جائے گی)

جب آپ ﷺ وضو کی جگہ سے واپس آئے تو زوجہ محترمہ نے پوچھا:

"یہ کیا بات میں نے آپ ﷺ سے سنی، گویا آپ ﷺ کسی انسان سے کلام کر رہے تھے؟"

آپ ﷺ نے جواب دیا:

"یہ خزاعہ کا فریادی مجھ سے فریاد کر رہا تھا، اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے ان کے خلاف بنی بکر کی مدد کی ہے۔"

صبح ہونے پر رسول اللہ ﷺ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملے تو کہا:

"خزاعہ میں کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔"

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

''کیا قریش نقض عہد کی جرأت کر سکتے ہیں، جبکہ آپ ﷺ ہر جگہ ان پر فتح یاب ہو چکے ہیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''عائشہ (رضی اللہ عنہا) وہ کسی ایسے امر کی وجہ سے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے نقض عہد کر رہے ہیں۔''

اس کے تین دن بعد خزاعہ کے سفیر حضرت عمرو بن سالم رضی اللہ عنہ آگئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور درج ذیل اشعار پڑھے:

مانگتا ہوں میں محمد ﷺ سے میرے پروردگار
وہ پرانا عہد جو اسلاف کا ہے یادگار
اے محمد (ﷺ) گو معمر ہم تھے اور تو خرد سال
تو بھی ہم اسلام لے آئے نہ کی کچھ اس سے عار
دیکھ تیری قوم نے تجھ سے کیا وعدہ خلاف
توڑ ڈالا عہد جو تجھ سے کیا تھا استوار
تیری دعوت کو انہوں نے کوئی بھی وقعت نہ دی
اور ''کدا'' میں گھات میں میری پہ بیٹھے ہیں بدشعار
دے تجھ کو خدا ہدایت تو ہماری کر مدد
اور کمک کے واسطے اللہ کے بندوں کو پکار
ہوں بعزم جازم خود ان میں رسول اللہ ﷺ بھی
جو نہیں تذلیل کو برداشت کرتے زینہار

ہم رکوع و سجدہ میں وقت تہجد تھے کہ وہ

آ پڑے اور دھر لیا تیغوں پہ ہم کو اک بار

جب حضرت عمرو بن سالم رضی اللہ عنہ اپنے اشعار سنا چکے تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کر ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر ٹہلنے لگے۔ آپ ﷺ کی چادر مبارک گھسٹ رہی تھی، اور آپ ﷺ فرما رہے تھے:

''اے عمرو بن سالم! تجھ کو مدد مل کر رہے گی، اگر وہ مدد جو مجھے ملی ہے، میں تمہیں نہ دوں تو مجھ کو مددگاری نصیب نہ ہو۔''

پھر رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے اور پوچھا:

''اے عمرو! تمہارا الزام کس پر ہے؟''

انہوں نے کہا:

''بنی بکر پر۔''

آپ ﷺ نے پوچھا:

''سب پر؟''

وہ بولے:

''نہیں، بنی نفاثہ پر۔'' (یہ بنی بکر کا ایک قبیلہ تھا)

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم اپنی قوم کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ وادیوں کے اندر بکھر جائیں۔ ہم معاملے پر غور کریں گے۔''

حضرت عمرو بن سالم رضی اللہ عنہ شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

چونکہ عمرو بن سالم رضی اللہ عنہ مسلمان خزاعیوں میں سے تھے، اس لیے ان کی سفارت و نیابت گویا مسلمانوں کی طرف سے تھی۔ خزاعہ کے مشرکوں نے یہ تجویز کیا کہ

ہماری نیابت کے لیے ایک اور سفیر جانا چاہیے۔ اس کام کے لیے انہوں نے امیر بدیل بن ورقا کا انتخاب کیا۔ بدیل چھپتے چھپاتے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا کیونکہ قریش کو پہلے حضرت عمرو بن سالم رضی اللہ عنہ کے بچ نکلنے کی خبر لگ چکی تھی، اور ڈر تھا کہ کہیں وہ اسے پکڑ کر قتل نہ کر دیں۔

جب نبی کریم ﷺ نے بدیل بن ورقا کی بات سنی تو اسے بھی وہی نصیحت کی جو اس سے پہلے سفیر کو فرما چکے تھے۔ تاوقتیکہ نبی ﷺ معاملے پر غور کریں، وہ لوگ وادیوں میں بکھر جائیں۔

بدیل بن ورقا یہاں سے رخصت ہو کر اپنی قوم کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اتفاقاً ابوسفیان بن حرب سے ملاقات ہوگئی۔ جو قریش کی جانب سے ایلچی بن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا تھا تاکہ خزاعہ کی شکایتوں کی تکذیب کرے، اور اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو تجدید عہد کی سعی عمل میں لائے، اثنائے گفتگو میں اس نے بدیل سے پوچھا:

"کدھر سے آ رہے ہو؟"

بدیل نے اسے مغالطے میں ڈالنے کے لیے جواب دیا:

"خزاعہ کے پاس سے جو اس وادی کے ساحل پر ہیں۔"

ابوسفیان نے کہا:

"کیا تم محمد (ﷺ) کے پاس نہ تھے؟"

بدیل بن ورقا نے کہا:

"نہیں۔"

اب ابوسفیان نے اپنے خادموں سے کہا:

"بدیل کے اونٹ کی مینگنیاں دیکھو۔ اگر یہ مدینہ سے آیا ہوگا تو

اس نے اسے گٹھلیاں چرائی ہوں گی۔"

اہل مدینہ کی عادت تھی کہ وہ اپنے اونٹوں کو کھجور کی گٹھلیوں کا چارہ دیا کرتے تھے۔
جب ابوسفیان کی اس تفتیش سے معلوم ہوگیا کہ بدیل مدینہ سے ہو کر آیا ہے تو اس نے کہا:

"اب مجھے معلوم ہوگیا کہ تم نے محمد (ﷺ) کے پاس ہماری شکایت کی ہے اور دیکھ تو نے جو کچھ وہاں جا کر کہا ہے میں اس کی تکذیب کروں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی سواری مدینہ منورہ کی طرف ہانک دی۔

جب وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو اس نے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ کے گھر جانے کا ارادہ کیا اور وہاں جا کر رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر لپیٹ دیا۔ یہ دیکھ کر اس نے بہت برا مانا۔ بیٹی سے کہا:

"تم مجھ سے پھر گئی ہو؟"

انہوں نے جواب دیا:

"کیا رسول اللہ ﷺ کا بستر نہیں؟ کیا تم ناپاک مشرک نہیں ہو؟ پھر تم سا دشمن رسول اس پر کس طرح بیٹھ سکتا ہے؟"

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا:

"تجھ پر ضرور میرے بعد کسی بدی کا اثر ہوا ہے۔"

"نہیں، بلکہ خدائے پاک نے مجھے اسلام کا راستہ دکھایا ہے۔ سنو میرے باپ! تم قریش کے سردار، قوم کے بزرگ ہو۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ تم قبول اسلام سے محروم ہو رہے ہو، اور پتھروں کی پرستش کر رہے ہو، جو سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ تمہارے کسی کام

آسکتے ہیں؟"

ابوسفیان نے پوچھا:

"محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟"

ام المومنین نے جواب دیا؟"

"مسجد میں۔"

ابوسفیان غصے میں بھرا ہوا سیدھا رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد پہنچا اور وہاں خزاعہ کی شکایت جھٹلاتے ہوئے اس معاہدے کی تجدید چاہی جس کی شرائط خود قریش نے پامال کی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہم اپنے عہد پر ہیں۔ اے ابا سفیان۔"

ابوسفیان نے غلط بیانی سے کہا:

"اور ہم بھی اے محمد (ﷺ) اپنے عہد پر ہیں۔"

پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے تجدید عہد کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

یہاں سے وہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس یہ امید لے کر گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں بات کریں۔ انہوں نے جواب دیا:

"مجھ سے اس کی امید نہ رکھو۔"

اب وہ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے جواب دیا:

"میں، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس تمہاری سفارش کروں! بخدا میں تو بہر کیف تم سے جہاد ہی کروں گا۔"

جب ابوسفیان مسجد والوں سے ناامید ہوگیا تو اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر

کارخ کیا۔ دیکھا کہ وہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دونوں کھڑے ہیں اور ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ جو اس وقت بچے تھے، ان کے سامنے کھیل رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا:

''علی (رضی اللہ عنہ) تم خون اور رحم کے رشتے میں میرے سب سے زیادہ قریبی ہو اور میں ایک کام کے لیے آ گیا ہوں۔ سو تم مجھے اوروں کی طرح نامراد نہ پھیر دینا۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس میری سفارش کر دو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''مجھے افسوس ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے امر کا عزم کر لیا ہے کہ ہم اس کے متعلق ان سے گفتگو نہیں کر سکتے۔''

یہ سن کر ابوسفیان نے بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:

''اے دختر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم اپنے اس بیٹے کو حکم نہ دو گی کہ وہ مجھے ان لوگوں کے درمیان پناہ دے کر ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار بن جائے؟''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''میرا یہ فرزند ابھی اس عمر کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کے درمیان تمہیں پناہ دے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی شخص پناہ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

یہ سن کر ابوسفیان نے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے ابوالحسن! میں دیکھتا ہوں کہ معاملات مجھ پر سخت ہو گئے ہیں۔ سو مجھے تم نصیحت کرو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

خدا کی قسم مجھے کوئی ایسی بات معلوم نہیں جو تمہارے لیے مفید ہو
سکے لیکن تم بنی کنانہ کے سردار ہو، تم خود ہی لوگوں کے درمیان پناہ
کا اعلان کر کے شہر کو چلے جاؤ۔"

ابوسفیان نے کہا:

"کیا اس سے مجھے کچھ فائدہ ہو گا؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"نہیں! بخدا فائدے کی تو امید نہیں، لیکن میں اس کے سوا اور
کوئی چارہ کار بھی تمہارے لیے نہیں پاتا۔"

تب ابوسفیان نے مسجد کے پاس جا کر کہا:

"لوگو! میں پناہ کا اعلان کرتا ہوں۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"تم اپنے آپ ہی کو یہ کہہ رہے ہو۔"

نتیجہ اس سفارت کا یہ ہوا کہ ابوسفیان ناکام و نامراد لوٹ آیا، کیونکہ مومن کو ایک ہی بل سے دوبارہ ڈسا نہیں جا سکتا ہے۔ سردار قریش غصے سے جلا بھنا اپنی قوم کے پاس واپس آیا اور کہنے لگا:

"اے قوم! میں محمد (ﷺ) کے پاس گیا اس سے گفتگو کی اس
نے مجھے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر ابی قحافہ کے بیٹے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)
کے پاس پہنچا لیکن کوئی فائدہ نہ پایا۔ پھر عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)
سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا، پھر علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے پاس
گیا۔ اسے میں نے سب سے بڑھ کر نرم دل دیکھا۔ اس نے مجھے
ایک مشورہ دیا جس پر میں نے عمل کیا، مگر واللہ، نہیں معلوم کہ وہ

کچھ سودمند بھی تھا ہوگا یا نہیں۔"

لوگوں نے پوچھا:

"اس نے کیا مشورہ دیا؟"

ابوسفیان نے جواب دیا:

"اس نے کہا۔ میں لوگوں کے درمیان پناہ کا اعلان کردوں۔ سو میں نے کردیا۔"

لوگوں نے پوچھا:

"محمد (ﷺ) نے اسے تسلیم کیا؟"

ابوسفیان نے جواب دیا:

"نہیں۔"

اب وہ بولے:

"تم پر افسوس۔ علی (رضی اللہ عنہ) نے محض تم سے ٹھٹھا کیا۔ بیٹھ جاؤ۔ کچھ بھی نہ بنا کر آئے ہو۔"

ادھر رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کی مدینہ منورہ سے روانگی کے بعد اپنے ساتھی جمع کیے تاکہ ان سے خزاعہ کی مدد کو نکلنے کا مشورہ کریں، جسے پاسداری کے عہد نے واجب کردیا تھا۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ یہ کام رسول اللہ ﷺ کی رائے پر چھوڑ دینا چاہیے، کیونکہ معاملہ آپ ﷺ کی قوم کا ہے۔ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ جنگ کی جائے۔ اس لیے کہ قریش نے عہد توڑا اور مسلمانوں کے حلیفوں پر ظلم کیا ہے۔ فیصلہ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہوا اور مسلمانوں نے منادی شروع کردی۔

رسول اللہ ﷺ نے تیاری کا اعلان کرنے سے پہلے راستوں کی دیکھ بھال کا

حکم دیا اور پاسبانوں کی جماعت کا سردار جماعت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ انہوں نے اپنی جماعت سے یہ کہہ رکھا تھا:

"کوئی ایسا شخص جسے تم نہ پہچانو، تمہارے پاس سے گزرنے نہ پائے، اسے فوراً واپس کردو۔"

پھر رسول اللہ ﷺ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ مکہ کے ارادے سے نکلے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ کے چچا عباس مع اہل و عیال ہجرت کر کے آتے ملے۔ وہ مکہ مکرمہ میں اپنا اسلام چھپا کر رہتے تھے۔ ان سے نبی کریم ﷺ نے کہا:

"آپ سب سے پچھلے مہاجر ہیں اور میں سب سے پچھلا نبی ہوں۔ اہل و عیال کو مدینہ بھیج دیں اور آپ ہمارے ساتھ مکہ لوٹ چلیں تاکہ اللہ کا کام پورا ہو۔"

جب لشکر ظہران تک پہنچا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اذن مانگا کہ قوم کے پاس جا کر انہیں ترک قتال اور تسلیم و اطاعت کی نصیحت کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی تو وہ حضور ﷺ کی سواری پر چڑھ کر نکلے تاکہ پاسبانوں کو شبہ نہ گزرے رات کا وقت تھا۔ چاندنی چٹکی ہوئی تھی وہ پیلو کے درختوں میں سے جارہے تھے کہ ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا کی آواز کان میں پڑی۔ یہ سب سراغرسانی کے لیے نکلے تھے۔ بدیل کا نکلنا تو رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہ کی آمد کے انتظار میں تھا کیونکہ وہ اس قوم کے مددگار تھے۔ البتہ اس کے دونوں ساتھیوں کی آمد مسلمانوں کی پیش قدمی کے ڈر سے تھی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو اپنے کان ادھر لگا دیے۔ ابوسفیان اپنے ہمراہیوں سے کہہ رہا تھا:

''ہر طرف آگ ہی آگ نظر آ رہی ہے۔ ایسی آگیں تو میں نے
کبھی نہیں دیکھیں۔''

یہ مسلمانوں کی لشکر گاہ کی آگ کا اجالا تھا جو اسے جا بجا دکھائی دے رہا تھا۔

بدیل نے اسے مغالطہ دینے کے لیے کہا:

''یہ خزاعہ کی آگ ہے۔''

ابوسفیان نے اس کا مطلب سمجھ لیا اور جواب میں کہا:

''خزاعہ کی شان اس سے بہت ذلیل ہے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ اگر نہ بولے تو دونوں میں ابھی چھڑ جائے
گی۔ لہٰذا پکار کر پوچھا:

''ابوسفیان۔''

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی دکھائی نہ دیا۔ ہاں آواز پہچان لی تھی۔ جواباً
دریافت فرمایا:

''اباالفضل؟'' (یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت تھی)

انہوں نے جواب دیا:

''جی ہاں۔''

پھر اس کے نزدیک آ پہنچے:

ابوسفیان بولا:

''میرے ماں باپ قربان ہوں آپ پر، اس وقت ادھر تشریف
لانے کا سبب کیا ہوا؟''

عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ دیکھو تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ دس ہزار جنگجو مسلمانوں

کے ساتھ آئے ہیں۔"

ابوسفیان نے کہا:

"پھر مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میرے ساتھ آجاؤ۔ میں تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ سے اس کی درخواست کروں گا! واللہ اور اگر مسلمان تم پر قابو پالیں تو گردن اڑا دیں گے۔"

یہ سن کر ابوسفیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی سواری پر چڑھ گیا۔ جب سواری پاسبانوں کے پاس گزرتی تو یہ لوگ کھسر پھسر کرتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں، ان کی سواری پر کون ہے۔ دونوں اسی طرح جماعتوں کو چیرتے ہوئے حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچے جو اس وقت پاسبانوں کے سردار تھے۔ انہوں نے پہچان لیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے ابوسفیان بیٹھا ہے۔ انہوں نے کہا:

"تو ابوسفیان ہے؟ اللہ کی سب تعریفیں جس نے بغیر کسی عقد وعہد کے تجھ پر قابو بخشا۔"

یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچانے کے لیے دوڑے۔ ادھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری تیز کر کے حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھا لی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپہنچے اور پیچھے ہی حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے آپہنچے:

"یارسول اللہ ﷺ! مجھے ابوسفیان کی گردن مارنے کا حکم دیجئے۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

"یارسول اللہ ﷺ میں نے اسے پناہ دی ہے۔"

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے چچا کی پناہ بخشی کا احترام کرتے ہوئے ابو

سفیان کو امان دے دی اور فرمایا:

''اسے کل میرے پاس لاؤ۔''

❀

دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان سے فرمایا:

''اے ابا سفیان! ابھی وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟''

ابوسفیان نے کہا:

''کیوں نہیں؟ میرے ماں باپ اے محمد ﷺ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہوتا تو میرے کسی کام آتا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تمہارے لیے یہ جاننے کا وقت نہیں آیا کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔''

ابوسفیان نے جواب دیا:

''میرے ماں باپ قربان، اس کے متعلق دل میں کچھ باقی ہے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے ابوسفیان! گردن اڑنے سے پہلے پہلے حق کی گواہی دے دے۔''

اس پر وہ مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''ابوسفیان کو کسی ایسے مقام پر کھڑا کردو، جہاں سے یہ تمام لشکر اسلام کے مکہ میں داخل ہونے کا نظارہ کرسکیں۔''

چونکہ ابوسفیان ان لوگوں میں سے تھا جو فخر و عظمت کے عاشق ہوا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کی درخواست قبول کرتے ہوئے ابوسفیان کا دل خوش کرنے کے لیے اجازت دے دی کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں اپنے بچاؤ کے لیے داخل ہو اسے امن دیا جائے۔

انجام کار مکہ فتح ہو گیا اور یوں معاہدہ حدیبیہ کے فتح مبین ہونے کی پیش گوئی پوری ہوئی، جو قرآن حکیم نے دو سال پہلے کی تھی۔

# 3

# معاہدہ نجران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کا یہ معاہدہ، اہل نجران کے لیے ہے۔

1. اگرچہ محمد النبی (ﷺ) کو ان کی پیداوار، سونے، چاندی، اسلحہ اور غلاموں میں سے حصہ لینے کی قدرت حاصل تھی، مگر اس نے ان لوگوں کے ساتھ فیاضی برتی اور یہ سب کچھ چھوڑ کر ان پر ایک ایک اوقیہ کے دو ہزار حلے (عربی لباس کی ایک قسم کو کہتے ہیں، جس سے سارا بدن ڈھک جاتا ہے اور یہ بالعموم دو چادروں پر مشتمل ہوتا ہے) سالانہ مقرر کیے، ایک ہزار رجب کے مہینے میں اور ایک ہزار صفر کے مہینے میں۔
2. ہر حلہ ایک اوقیہ کا ہوگا اور جو اس سے کم یا زیادہ کا ہوگا وہ قیمت کے لحاظ سے محسوب کرلیا جائے گا۔
3. اگر حلوں کے بدلے میں زرہوں یا گھوڑوں یا سواری کے اونٹوں کی قسم سے کچھ ادا کریں گے تو قیمت کے حساب سے اس کو بھی قبول کرلیا جائے گا۔
4. اہل نجران پر میرے کارندوں کے ٹھہرانے کا انتظام لازم ہوگا، مگر انہیں ایک مہینے کے اندر اندر محاصل ادا کر دینے ہوں گے، اس سے زیادہ ان کو

روکا نہ جائے گا۔

۵ اگر یمن میں بغاوت کی وجہ سے ہمیں جنگ کرنی پڑی تو اہل نجران کو تیس زرہیں، بیس گھوڑے اور ۳۰ اونٹ عاریتاً دینے ہوں گے، ان میں سے جو جانور ضائع ہو جائیں گے، اہل نجران کو ان کا بدل دیا جائے گا۔

۶ نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمین، ان کی جائیدادیں، ان کے جانور، ان کے حاضر و غائب، ان کے قاصد اور ان کی عبادت گاہیں، اللہ کی پناہ اور اللہ کے رسول (ﷺ) کی حفاظت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی، نہ ان کے حقوق میں کسی قسم کی دست اندازی ہوگی، اور نہ ان کے اصنام مسخ کیے جائیں گے، کوئی اسقف، کوئی راہب اور کوئی دافہ اپنے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا، غرض کہ جو جس حالت میں ہوگا، اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کیا جائے گا۔

۷ اہل نجران سے کسی سابقہ جرم یا خون کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، نہ فوجی قوت کے لیے ان کو مجبور کیا جائے گا، نہ ان پر کوئی عشر قائم کیا جائے گا اور نہ کوئی لشکر ان کے علاقے میں داخل ہو سکے گا۔

۸ اگر اہل نجران سے کوئی اپنا حق طلب کرے گا تو مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان انصاف کیا جائے گا، نہ ان پر ظلم ہونے دیا جائے گا اور نہ انہیں کسی دوسرے پر ظلم کرنے دیا جائے گا۔

۹ اہل نجران میں سے اس معاہدے کے بعد جو سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے خارج ہے۔

۱۰ اہل نجران میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوگا۔

⓫ اس معاہدے میں جو کچھ تحریر ہے، اس کے لیے اللہ اور محمد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ضمانت ہے۔ حتیٰ کہ ان کے بارے میں کوئی حکم الٰہی ہو، اور جب تک اہل نجران وفادار رہیں گے اور ان شرائط کے پابند رہیں گے جو ان سے کی گئی رہیں۔ الا یہ کہ کوئی ظلم سے کسی بات پر انہیں مجبور کر دے۔"

ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو سال پہلے نجران میں نصرانیوں کی ایک خود مختار حکومت تھی، اور یمن (حمیر) میں یہودیوں کی ایک مضبوط سلطنت تھی، جس کا فرمانروا ذونواس تھا۔ یہ بازنطینی عیسائیوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ روم اور مصر پر بازنطینی شہنشاہ حکمران تھا۔ یہودیت کو ہر جگہ سے پسپا ہونا پڑا تھا اور وہ یمن میں محصور ہو کر رہ گئی تھی۔ ذونواس طاقتور بادشاہ تھا۔ اس لیے یمن اب تک عیسائیوں کی عملداری سے باہر ہی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حبشہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لے، مگر اس سے پہلے ضروری تھا کہ نجران کی طاقت توڑ دی جائے، تاکہ عقب سے کوئی خطرہ نہ رہے۔ چنانچہ اس نے نجران پر حملہ کر دیا۔ ان کی عبادت گاہیں جلا دیں۔ بڑے بڑے گڑھے کھودے اور ان میں آگ جلا کر عیسائیوں کی بڑی تعداد زندہ جلا دی گئی۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن پاک میں اصحاب اخدود کے نام سے آیا ہے۔

❀

یمن میں حبش اور نجران پر زمانہ قدیم میں سبا کی سلطنت قائم تھی۔ اہل سبا ستارہ پرست تھے اور سورج کی پرستش کرتے تھے۔ ۹۵۰ قبل مسیح میں اس سلطنت کی ایک ملکہ جس کا نام روایات میں بلقیس ہے اور جسے اہل حبش ماکدہ کہتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئی اور دین حق قبول کر لیا۔ اس وقت سے سلطنت سبا میں دین

موسوی کی اشاعت ہوئی، مگر اقتدار کبھی ستارہ پرست خاندانوں اور کبھی یہودی قبائل کے ہاتھوں منتقل ہوتا رہا۔

سبا کے حکمرانوں کا پہلا دور ۱۲۰۰ قبل مسیح سے ۵۵۰ قبل مسیح تک ہے۔اس دور کے پہلے بادشاہوں کا لقب "مکارب سبا" تھا۔ان کے بعد وہ "ملوک سبا" کے نام سے مشہور ہوئے۔ان کا دارالحکومت مارب مشرقی یمن میں واقع تھا۔ان کی مدت حکمرانی زیادہ سے زیادہ ۴۵۰ سال تک ہے۔سبا کے لوگ تاجر پیشہ تھے،اور خشکی کے راستے مصر، حبش اور یمن سے شام وعراق تک ان کے کارواں جاتے تھے۔ ۵۵۰ قبل مسیح سے ۱۱۵ قبل مسیح تک ۴۳۵ برس ہوتے ہیں۔اس زمانے کے سترہ حکمرانوں کے نام تاریخ میں ملتے ہیں۔ان کے لقب "ذو" اور "قیل" تھے،جن کی جمع "اذوا" اور "اقیال" ہے۔

سبا کے مقبوضات میں حبش، یمن اور شمالی عرب شامل تھے۔ ۱۱۵ قبل مسیح میں یہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔حبش پر اکسومی خاندان قابض ہو گیا۔جس کے بادشاہ نجاشی کہلائے۔شمالی عرب میں اسماعیلی عرب خودمختار بن گئے۔یمن میں شاہان سبا کے سلسلے کا ایک خاندان "حمیر" حکمران ہوا،جو مغربی یمن میں رہتا تھا۔اس زمانے میں بحری تجارت کا آغاز ہوا۔یہی بحری تجارت تھی جس نے سبا کی سلطنت کو ختم کر دیا اور حمیر جو بحر احمر اور بحر عرب کے ساحلوں کے قریب آباد تھے،غالب آ گئے۔ان حمیری حکمرانوں کا لقب ذو (اذوائی) تھا۔شاہان حمیر کا زمانہ پہلی صدی قبل مسیح کے وسط سے شروع ہوتا ہے اور اس کے آخری باشادہ ذونواس کی موت پر ۵۲۴ میں ختم ہوا۔

شاہان حمیر میں سے بتان اسعد ابو کرب نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا۔

ان دنوں حبش اور یمن میں یہودیت اور نصرانیت میں شدید مسابقت تھی۔حبش کے اکسومی خاندان نے حمیر کی ضد میں عیسائیت کو قبول کر لیا۔اس وقت رومن سلطنت، روم، شام اور مصر پر قابض تھی۔یمن کے پہلو میں نجران کی چھوٹی سی ریاست تھی، جہاں کی

آبادی عیسائی تھی، مگر ان کے عقیدے اور رومی عیسائیوں کے عقیدے میں فرق تھا۔ رومی حقیقی معنوں میں مسیح کے عقیدے کے پیرو اور سچے مسیحی نہیں تھے بلکہ وہ مسیح کے جھوٹے جانشین پال کی عیسائیت کو ماننے والے تھے۔ اس کے برعکس نجران کے عیسائی پال کی بدعتوں کو نہیں مانتے تھے۔ بلکہ وہ مسیح کے سچے حواریوں، خاص طور سے حواری برناباس کے مسلک کے پیرو تھے۔ اس لیے وہ مسیح کو خدا یا ابن اللہ نہیں مانتے تھے، بلکہ بندہ خدا اور رسول مانتے تھے اور صحیح معنوں میں موحد تھے۔ ان کی تبلیغی کوشش سے دین حق یمن میں پھیلتا جا رہا تھا اور یہی بات ذونواس کے اشتعال کا باعث بنی جو سخت متعصب یہودی تھا۔ نجران کے انہی موحد عیسائیوں پر ذونواس نے حملہ کر کے انہیں آگ کے گڑھوں میں گرا دیا تھا، اور شہر نجران کی کثیر آبادی ہلاک ہوگئی تھی۔ قرآن میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے:

> ”مارے گئے کھائی کھودنے والے، جس میں آگ تھی بڑے ایندھن والی، جب وہ اس (کے کنارہ) پر بیٹھے تھے، اور وہ جو کچھ اہلِ ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔ اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب، سب خوبیوں سراہا ہے۔“

(البروج، آیت: ۴ تا ۸)

”اصحاب اخدود“ ذونواس کے یہودی لشکر کو کہا گیا ہے اور ان کی ہلاکت کی وعید سنائی ہے۔ اس دردناک واقعہ کا وبال جلد ہی ان پر پڑا۔ کہتے ہیں کہ شہر نجران کی ساری آبادی جل کر راکھ ہوگئی تھی۔ صرف ایک شخص جلی ہوئی انجیل کا نسخہ (جو غالباً برناباس کی انجیل تھی) لے کر نکل کر بھاگا اور حبشہ پہنچا، اور نجران میں یہودیوں کے مظالم کی داستان سنائی۔ جس سے ساری عیسائی دنیا میں تہلکہ برپا ہوگیا۔ یہ شخص انجیل کا جو نسخہ لایا تھا وہ اکسومی

بادشاہوں کے محل میں رہا اور غالباً اس انجیل کے مطالعہ نے رسول اللہ ﷺ کے ہمعصر نجاشی کو در پردہ رومن عقیدے سے منحرف کر دیا تھا اور دل ہی دل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے برخلاف ان کے بندہ خدا اور رسول ہونے کا قائل تھا۔ چنانچہ جب مسلمانوں کے نمائندہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کی آیات پڑھیں تو اس نے بے اختیا تصدیق کی:

"خدا کی قسم مسیح علیہ السلام اس سے ذرہ برابر زیادہ نہیں تھے۔"

قیصر روم جسٹینین نے حبشہ کے اکسومی بادشاہ کالب الاصبح کے پاس جنگی جہاز اور فوج بھیجی تا کہ وہ یمن پر حملہ کر کے یہودی حکومت کا خاتمہ کر دے۔ ادھر ذونواس نجران کو تباہ و برباد کر کے جب یمن پہنچا تو حیران رہ گیا، کیونکہ ساحل یمن پر حبشیوں اور رومیوں کی متحدہ فوج اتر چکی تھی اور فاتحانہ پیش قدمی کر رہی تھی۔ ذونواس نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا اور شکست کھا کر بھاگا۔ کہتے ہیں کہ وہ جان بچا کر دریا میں کود گیا اور پھر ایک ہیکل میں جا چھپا۔ مگر موت بھی اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ ہیکل میں وہ سجدہ کر کے اٹھ رہا تھا کہ اس کے لبادے کا دامن ایک چراغ پر جا پڑا اور چراغ اس پر الٹ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لباس نے آگ پکڑ لی اور اس آگ میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ یہ نجران کی آگ تھی جو اس کا تعاقب کر رہی تھی اور جس نے اسے کیفر کردار تک پہنچا کر چھوڑا۔ ذونواس کی موت پر ۵۲۵ء میں یمن کی حمیری سلطنت کے شاہان تبع کا دور ختم ہو جاتا ہے۔

رومیوں نے یمن کے خلاف فوج کشی میں حبشیوں کو اس شرط پر مدد دی تھی کہ اس کے عوض حبش کے حکمرانوں کی طرح اکسوم کے شہریوں کی اکثریت نے عیسائیت کے رومی عقیدے کو اپنا لیا۔

عہد اول کے پیروان مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسان ہونے اور رسول

ہونے کے قائل تھے جیسا کہ پطرس حواری نے "فسح" کے موقع پر مسیح کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا:

"ایک انسان جو خدا کی طرف سے تھا۔"

❀

ایک روایت کے مطابق حبشہ کے نجاشی نے نجران کے فریادی کو اور جلی ہوئی انجیل کو بازنطینی شہنشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ قیصر روم نے ذونواس سے بدلہ لینے کے لیے جنگی کشتیوں کا ایک بیڑا روانہ کیا۔ نجاشی نے بھی بہت سی کشتیاں تیار کیں اور ستر ہزار کا لشکر یمن پر حملے کے لیے بھیجا۔ یونانی روایت کے مطابق لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ ذونواس کو مقابلے کی تاب نہیں تھی، اس لیے صلح کی پیشکش کی اور جب گفتگو کے لیے حبشی لشکر کے سپہ سالار اس کے پاس پہنچے تو اس نے دھوکے سے ان کو قتل کرا دیا اور حبشیوں پر اچانک حملہ کر کے اس لشکر کو پسپا کر دیا۔ نجاشی نے دوبارہ ستر ہزار کے لشکر سے یمن پر زبردست حملہ کیا اور ذونواس کو شکست دے کر بھگا دیا۔

یمن پر حملہ آور حبشی فوج کا سردار ارباط تھا۔ اس نے یمن میں عیسائی معابد کی حفاظت کی، یہودیوں کو قتل کرایا اور نجران میں عیسائیوں کی از سر نو آباد کاری کا انتظام کیا۔ اس دوران حبشی فوج میں اختلافات پیدا ہو گئے اور فوج کے ایک حصے نے بغاوت کر دی۔ باغیوں کا سردار ابرہہ تھا۔ اس شورش میں ارباط مارا گیا، اور ابرہہ تنہا یمن کا حاکم بن گیا۔ ارباط نے بیس سال حکومت کی تھی۔ اس عرصے میں وہ نجاشی شاہ حبش کا وفادار اور نمائندہ رہا۔ ابرہہ ۵۴۳ء میں یمن کا حاکم بنا۔

ابرہہ بازنطینی کلیسا کا معتقد اور نہایت متعصب عیسائی تھا۔ اس نے بڑے بڑے شہروں میں کنیسے تعمیر کرائے۔ سب سے بڑا کنیسہ اپنے دارالحکومت صنعاء میں تعمیر کیا۔ جسے عرب "القلیس" کہتے ہیں۔ اس کے زیر اثر نجران میں موحد مسیحوں کا قلع قمع

ہو گیا اور نجران میں بھی رومن کیتھولک کلیسا قائم ہوا۔

ابرہہ نے حکم جاری کیا کہ لوگ کعبہ کے بجائے اس کے تعمیر کردہ معبد میں حج کے لیے آئیں۔ اس اعلان پر مشتعل ہو کر کسی عرب نے رات کو چھپ کر اس کلیسا کو نجس کر دیا۔ اس بے حرمتی پر ابرہہ غضب ناک ہو گیا اور کعبہ کو ڈھانے کے ارادے سے عرب پر فوج کشی کر دی۔ اس کی فوج میں ساٹھ ہزار سپاہی اور تیرہ یا نو ہاتھی تھے۔ راستے میں یمن کے سردار نصر نے مقابلہ کیا مگر ناکام رہا۔ خثعم کے علاقے میں عرب سردار نفیل بن حبیب نے راستہ روکا، مگر وہ بھی مارا گیا۔ ابرہہ کی فوج طائف پہنچ گئی۔ طائف کے قبیلہ بنو ثقیف نے اس خوف سے کہ وہ ان کے بت لات کو نقصان نہ پہنچائے، اس کی اطاعت کی اور ایک شخص ابو رغال کو بدرقہ کے طور پر اس کے ساتھ کر دیا۔ ابو رغال نے ابرہہ کے لشکر کو مکہ کا راستہ دکھایا، مگر مکہ سے نو دس میل کے فاصلے پر المغمس کے مقام پر وہ مر گیا۔ بعد میں عرب اس کی قبر پر سنگ باری کرتے تھے اور طائف والوں کو اس بے عزتی اور غداری پر طعنے دیتے تھے۔

ابرہہ کا لشکر عرفات اور طائف کے درمیان حدود حرم کے قریب ٹھہر گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب مکہ مکرمہ کے سردار تھے۔ وہ قریش کو لے کر پہاڑیوں پر چڑھ گئے اور کعبہ کو رب کعبہ کی حفاظت میں چھوڑ دیا۔ ابرہہ کا لشکر جب کعبہ کو ڈھانے کے لیے شہر کی طرف روانہ ہونے لگا تو اچانک آسمان پر پرندوں کے جھنڈ نمودار ہوئے، ان کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ یہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر برسنے لگیں۔ اس آسمانی مار سے ابرہہ کا لشکر ہاتھیوں سمیت کھائے ہوئے بھوسے کی طرح تباہ و برباد ہو گیا۔

اس واقعہ کا ذکر قرآن پاک کی سورہ الفیل میں ہے۔ یہ واقعہ ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء کا ہے اس سال مکہ میں حضور ﷺ کی ولادت مبارک ہوئی۔ کہتے ہیں کہ ابرہہ بھی کنکریوں سے زخمی ہو کر بھاگا مگر بلاد خثعم میں پہنچ کر مر گیا اس کا جسم بھی گل سڑ کر بھوسے کی طرح اڑ گیا۔

ابرہہ کی موت اور اس کے لشکر کی تباہی کے بعد یمن میں طوائف الملوکی پھیل گئی، حبشیوں اور رومیوں سے چھٹکارا پانے کے لیے اہل یمن نے ایران کے شہنشاہ سے مدد طلب کی اور ایرانی لشکر نے یمن پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ایرانیوں کے مقابلے میں رومیوں کو شام اور عراق میں شکست ہو چکی تھی اور ان کی فوجیں مصر میں داخل ہو گئی تھیں۔ یمن میں حالات کی تبدیلی کا نجران پر کوئی اثر نہ پڑا۔

❀

نجران میں مسیح علیہ السلام کی ایک بڑی درسگاہ تھی، جس کے علما مسیح و مریم کی بت پرستی کے مخالف تھے، مگر یہ اقلیت میں تھے اور کمزور تھے۔ مشرک عیسائیوں کا گروہ، جو مسیح و مریم کے بتوں کی پرستش کرتا تھا، نجران کی حکومت پر قابض تھا۔ دونوں طرف کے اہل علم میں اس مسئلہ پر مباحثے اور مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ انہی دنوں میں مسلسل یہ خبریں پہنچیں کہ مکہ میں ایک شخص نے رسالت کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ توحید کی دعوت دیتا ہے اور مسیح علیہ السلام کی رسالت کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ اس خبر کو قدرتی طور پر نجران کی مسیحی درسگاہ کے علماء نے زیادہ دلچسپی سے سنا۔ پھر انہوں نے بیس آدمیوں پر مشتمل ایک وفد کی تحقیق حال کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا۔ انہوں نے قدیم صحیفوں میں سے وہ پیشینگوئیاں جمع کر لیں جن میں آخری رسول کی بشارت اور نشانیاں درج تھیں۔ خاص طور پر انجیل کے وہ اجزاء جن میں رسول موعود کا نام بھی صراحتاً موجود تھا۔

حج کا موسم ہو چکا تھا۔ جب وہ وفد مکہ مکرمہ پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت لوگوں کے ایک مجمع میں رسول اللہ ﷺ دعوت توحید دے رہے تھے۔ وفد کے لوگوں نے آپ ﷺ کی باتیں سنیں تو سمجھ گئے کہ یہ وہی رسول ﷺ ہیں، جن کی خبر انہیں ملی تھی۔ آپ ﷺ کی باتیں ان کے دل کو لگیں، کیونکہ وہ خود بھی اپنی قوم کے بت پرستوں سے یہی کچھ کہتے تھے۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور ان علامتوں کی

جستجو کی جو اگلے انبیاء نے بیان کی تھیں، تو انہیں یقین آ گیا کہ رسول موعود ﷺ یہی ہیں۔ پھر انہوں نے کھلے دل سے آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی۔

مشرکین مکہ نے نجران کے اس وفد کو حضور ﷺ کے بارے میں بہت بہکایا۔ ان کو توقع تھی کہ یہ عیسائی، محمد ﷺ سے ملنے کے بعد ضرور ان کو جھٹلائیں گے اور مکہ والوں پر اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا، مگر ان کی توقع کے برخلاف جب عیسائیوں نے حضور ﷺ کے رسول برحق ہونے کی تصدیق کی تو قریش سخت مایوس ہوئے۔ ابو جہل غیظ و غضب سے لرزنے لگا اور نجرانیوں سے مخاطب ہو کر بولا:

"خدا تمہیں بدنصیب رکھے۔ تم بھی بہکاوے میں آئے گئے، اور اس کی تصدیق کرنے لگے! میں نے تم جیسے نادان آدمی نہیں دیکھے۔"

نجرانیوں نے جواب دیا:

"ہم یہاں کسی سے جھگڑنے نہیں آئے، ہم نے جو کچھ سچ پایا اس کی شہادت دے دی، تم مانو نہ مانو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔"

ابن اسحاق کہتے ہیں:

"یہ وفد حبشہ کے نصرانیوں کا تھا۔"

اللہ بہتر جانتا ہے۔ بہرحال یہ وفد بعثت کے دسویں سال معراج سے قبل مکہ مکرمہ آیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد سیرت رسول ﷺ میں نجران والوں کا ذکر ۹ ھ میں ملتا ہے۔ اس وقت مکہ مکرمہ فتح ہو چکا تھا۔ عرب و یمن کے قبائل کے وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا تاکہ اسلامی حکومت سے اطاعت کا عہد و پیمان کریں۔ اہل نجران بھی خوب سمجھتے تھے کہ مسلمانوں سے لڑنا ان کے بس میں نہیں۔ ان کے سامنے دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو مسلمان ہو جائیں یا ذمی بن جائیں۔ اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے نجران کی درسگاہ کے اہل علم اور برسر اقتدار علماء کے درمیان مشاورت کا سبب وہ خط تھا جو اسقف کے نام مدینہ منورہ

سے آیا تھا۔ احمد بن عبد الجبار کی روایت کے مطابق خط کا مضمون حسب ذیل ہے:

''محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے نجران کے اسقف اور اہل نجران کے نام۔

''ابراہیم (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) کے خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

اما بعد!

میں تم کو بندوں کی عبادت سے خدا کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں اور بندوں کی ولایت سے خدا کی ولایت کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم نے اس سے انکار کیا تو تم پر جزیہ ہے، اور اگر تم نے اس سے بھی انکار کیا تو پھر تمہیں حرب کی اطلاع دی جاتی ہے۔

والسلام

اس مشاورت میں درسگاہ کے نمائندوں نے کہا:

''خداوند نے ابراہیم سے وعدہ کیا تھا کہ اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں ایک نبی ہوگا یہ وہی ہوں گے۔''

اس بات پر لوگوں میں اختلاف ہوگیا۔ پھر طے ہوا کہ اس سارے معاملے کو عوام کے سامنے رکھا جائے۔ اسقف کے اعلان پر تمام اہل وادی جمع ہوگئے۔ ان کے سامنے بھی نامہ مبارک پڑھا گیا۔ بحث مباحثہ کے بعد اس جلسہ عام میں طے ہوا کہ ایک وفد مدینہ منورہ جا کر پوری طرح اطمینان کر کے آئے۔ چنانچہ وفد روانہ ہوا۔ ابن اسحاق حضرت کرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس وفد میں ساٹھ سوار تھے۔ جن میں ۲۴ آدمی ان کے شرفا و معززین میں سے تھے، اور تین آدمی مختار اور مقتدر تھے۔ ایک عبد

المسیح جو عاقب تھا۔ دوسرا شخص سید قوم کے مرتبہ کا تھا، تیسرا ابوالحارث بن علقمہ تھا۔ ابو الحارث انجیل کا عالم تھا، اسے یقین ہو گیا کہ مدینہ کے نبی ہی رسول آخرالزماں ﷺ ہیں۔ اس لیے اس نے مدینہ منورہ کے راستے ہی میں اپنے بھائی کرز بن علقمہ سے کہا:

"خدا کی قسم یہی وہ نبی ﷺ ہیں جن کا ہم لوگوں کو انتظار تھا، لیکن اس بات کو ظاہر کردوں تو یہ سب ہمارے خلاف ہو جائیں گے۔"

کرز بن علقمہ کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور جب مدینہ منورہ پہنچے تو وہ تامل مسلمان ہو گئے۔ وفد نے مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے بہت سے سوالات کیے اور حضور ﷺ نے ان کے جوابات دیے۔ آخر میں انہوں نے پوچھا:

"اگر آپ ﷺ کے فرمانے کے مطابق مسیح خدا کے بیٹے نہیں ہیں تو پھر ان کا باپ کون ہے؟"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ پر ان آیات کا نزول ہوا:

ترجمہ: "بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے، بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (اے سننے والے!) یہ حقیقت کہ (عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی) ہے پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے۔ پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آگیا آپ کے پاس (یقینی) علم تو آپ کہہ دیجیے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی۔ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں پھر بھیجیں اللہ

تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر۔“

ان آیات کے نازل ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس طلب فرما کر وفد نجران سے فرمایا:

”آؤ ہم اپنے اپنے اہل وعیال کو لے کر خدا سے دعا کریں کہ جو فریق جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔“

اس دعوت مباہلہ پر اہل نجران گھبرا گئے، کیونکہ ان میں سے اکثر دلوں میں آپ ﷺ کی نبوت کے قائل ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

”ہمیں مباہلہ نہیں کرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ واقعی پیغمبر ہوں اور ہم لوگ مباہلہ کے بعد ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ خراج دے کر معاہدہ کر لیا جائے۔“

آخر ان لوگوں نے مباہلہ سے گریز کیا اور اطاعت پر آمادہ ہو گئے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

”ہم اپنا معاملہ آپ ﷺ پر چھوڑتے ہیں۔ ہم کو یقین ہے کہ ہمارے معاملے میں آپ ﷺ حق وانصاف سے کام لیں گے۔“

حضور ﷺ نے دوسرے روز عہد نامہ تیار کرایا جس پر وفد کے نمائندوں نے دستخط کر دیے۔ اس معاہدے پر ریاست مدینہ کی طرف سے دستخط کرنے والوں کے نام یہ ہیں۔

ابوسفیان بن حرب، غیلان بن عمرو، مالک بن عوف، اقرع بن جالس حنظلی اور مغیرہ بن شعبہ۔

نجران کا وفد اس معاہدے کو لے کر جب واپس آیا تو نجران کے کلیسا کا اسقف اور معززین وعوام ایک روز کی مسافت تک ان کے استقبال کو آئے۔ اسقف

کے ساتھ اس کا ایک چچازاد بھائی تھا، جس کا نام بشر بن معاویہ تھا، اور کنیت ابو علقمہ تھی۔ اسقف نے رسول اللہ ﷺ کا خط لیا اور اس خط کو لے کر آہستہ آہستہ واپس ہونے لگا۔ سب اس کے ساتھ تھے۔ ایک موقع پر بے اختیار اسقف کے منہ سے نکل گیا:

"خدا کی قسم یہ نبی مرسل (ﷺ) ہیں۔"

بشر نے جیسے ہی یہ جملہ سنا اس نے اپنے اونٹ کو مدینہ منورہ کی طرف پھیر کر زور سے ہنکایا۔ لوگوں نے پیچھا کیا اور اسے روکتے رہے مگر وہ نہ رکے اور مدینہ آ کر دم لیا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو کر یہیں رہے اور ایک غزوہ میں شہادت پائی۔

بیہقی نے باسناد صحیح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

"سید اور عاقب جب ملاعنت سے ڈرے اور رسول اللہ ﷺ کی تمام باتوں کو ماننے کے لیے مستعد ہوئے تو حضور ﷺ سے کہا:

"آپ ﷺ ایک امین شخص کو ہمارے ساتھ کر دیجئے، مگر وہ واقعی امین ہو۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"میں تمہارے ساتھ ایک شخص کو دیتا ہوں جو ایسا امین ہے جیسا امانت کا حق ہے۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اٹھو، عبیدہ بن الجراح (رضی اللہ عنہ)۔"

جب وہ کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یہ امت کے امین ہیں۔"

اس وقت سے آپ کا لقب "امین الامتہ" ہے۔

نجران جانے والے قاصدوں میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے نام بھی ہیں۔ جنہیں صدقات و جزیہ کی وصولی کے لیے بھیجا گیا تھا۔

اس معاہدے کے بعد نجران کے عیسائیوں میں سے ایک بڑی تعداد نے اور دیہات کے تمام مشرک قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اور نصرانیوں سے جزیہ، یہاں تک کہ خلافت راشدہ کے زمانے میں پورے یمن اور نجران کی آبادیاں مسلمان ہوگئیں اور یہودی اور عیسائی بہت ہی کم تعداد میں رہ گئے۔

# 4

# معاہدہ قبیلہ جہنیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱. قبیلہ جہنیہ کی جان و مال کو امن حاصل ہوگا۔

۲. جو شخص ان پر زیادتی کرے یا حملہ آور ہو، اس کے مقابلے میں ان کو مدد دی جائے گی۔

۳. لیکن جو زیادتی یا جنگ ان کے اہل وعیال کے درمیان ہو، یا ان کے مذہبی معاملات سے متعلق ہو اس پر امداد لازم نہ ہوگی۔

۴. ان لوگوں کے قرب وجوار میں جو نیک اور پرہیزگار لوگ ہوں گے، ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو جہنیہ کو حاصل ہیں۔

ہجرت کے بعد قریش کی مخالفت نے قبائل عرب میں ایک آگ لگا دی تھی، کسی قبیلے کی جانب سے اطمینان نہیں ہو رہا تھا۔ مدینہ منورہ پر ہر وقت حملہ کا خطرہ رہتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قبائل کی نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ مدینہ کے یہودیوں سے مذکورہ بالا معاہدے کے علاوہ مدینہ منورہ کے اطراف وجوانب میں رہنے والے

قبائل سے بھی رفاقت و خیر سگالی کے معاہدے کر کے اتحاد و یکجہتی کی فضاء قائم کی گئی۔ جن قبائل سے معاہدے کر کے اتحاد و یکجہتی کی فضاء قائم کی گئی۔ جن قبائل سے معاہدے کیے گئے ان میں سب سے پہلا جہنیہ کا تھا۔ یہ واقعہ ا ھ ۶۲۲ء کا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر قبیلہ جہنیہ کا ایک وفد خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں معاہدہ حلیفی کے لیے حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تم کون لوگ ہو؟''

انہوں نے جواب دیا:

''ہم بنی غیان ہیں۔''

غیان کے معنی سرکشی کے ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں، تم بنی رشدان ہو۔''

رشدان کے معنی ہدایت پانے کے ہیں۔ یہ لوگ جس وادی میں رہتے تھے اس کا نام ''غوی'' تھا جس کے معنی گمراہی کے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل کر کے رشد رکھ دیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے ناموں کو جن میں برائی کا پہلو نکلتا تھا ناپسند فرماتے تھے۔ اس لیے عادت شریفہ یہ تھی کہ ہمیشہ برے ناموں کو اچھے ناموں سے تبدیل فرما دیا کرتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد اس قبیلے کے اکثر افراد نے اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نام ایک فرمان تحریر فرمایا جس میں قبول اسلام کے بعد ان کے فرائض کی تفصیل کی گئی تھی۔

# 5

## معاہدہ بنوضمرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ تحریر اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے بنی ضمرہ کے لیے ہے۔

◆ ا ان لوگوں کو جان و مال کا امن حاصل ہوگا۔

◆ ۲ جو شخص ان پر حملہ کرے گا، اس کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے گی۔

◆ ۳ ان لوگوں پر واجب ہوگا کہ ہمیشہ پیغمبر کی مدد کرتے رہیں، اور خدا کا پیغمبر جب تک ان کو مدد کے لیے بلائے تو یہ لوگ مدد دیں، مگر مذہبی جنگوں میں مدد دینا ضروری نہ ہوگا۔

◆ ۴ یہ لوگ جب تک اپنے معاہدے پر قائم رہیں گے ان کی مدد کی جائے گی۔

◆ ۵ اس معاہدے پر اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی ذمہ داری ہے۔

مکہ مکرمہ سے شام اور مصر کو جو کاروانی راستہ جاتا ہے، بنوضمرہ کے قبیلے کا مسکن اس راستے پر تھا، یہ بہت بڑا اور بااثر قبیلہ تھا۔ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ینبوع (یہ مدینہ منورہ کی قدیم بندرگاہ ہے جو بحر احمر پر واقع ہے۔ قدیم زمانے میں یورپ اور افریقہ کی شاہراہیں یہاں سے گزرتی تھیں۔ موجودہ سعودی حکومت نے اس کو جدید طرز کی بندرگاہ بنا دیا ہے) مدینہ منورہ سے ۱۳۰ میل کے فاصلے پر بحر احمر کے کنارے مکہ مکرمہ سے شام جانے والے قافلوں کا ایک بڑا اسٹیشن تھا۔ نہر سویز کی تعمیر سے پہلے یورپ اور افریقہ کے قافلے زیادہ تر اس راستے سے آتے جاتے تھے اور اس راستے میں جو مختلف قبائل آباد تھے ان سے رسول اللہ ﷺ نے حلیف رہنے کے معاہدے فرمائے۔ بعض معاہدوں میں دوامی حلیفی اور باہمی فوجی امداد کا ذکر ہے اور بعض قبائل سے صرف غیر جانبدار رہنے اور دشمن کو مدد نہ دینے کا وعدہ لیا گیا ہے۔

۲ھ-۶۲۳ء کے آغاز پر صفر کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ نے بنوضمرہ سے جنگ نہ کرنے اور حلیف رہنے کا وعدہ کیا اس طرح کے اور بھی متعدد معاہدے آپ ﷺ نے بنی ضمرہ کے قرب و جوار کے قبائل سے فرمائے۔ ان سب معاہدات کے الفاظ قریب قریب ایک ہی جیسے ہیں۔

اس معاہدہ کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کا صحیح اندازہ صرف جنگ اور سیاست کے میدان کے ماہرین ہی لگا سکتے ہیں۔ بنوضمرہ اگرچہ ابھی تک مشرکانہ عقائد پر قائم تھے، لیکن اب وہ اپنے ہم عقیدہ اہل مکہ کی انگیخت پر مسلمانوں کے خلاف ان کی

کوئی مدد نہیں کرسکتے تھے اور ان سے کسی قسم کا تعاون نہیں کرسکتے تھے۔ یہ قافلہ پر قبضہ کرنے کی کامیابی سے بھی کہیں بڑی کامیابی تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی۔ اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پندرہ راتیں صرف ہوئیں۔

❀❀❀

# 6

## معاہدہ ہمدان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱ یہ عہد نامہ ہے محمد رسول خدا (ﷺ) کی طرف سے واسطے محلاف خارف اور اہل خیاب الھضب اور حقارت الرمل کے اور ذی المشعاران کے قافلے سالار اور ملک بن عظ کے۔

۲ اور جن لوگوں نے ان کی قوم میں سے اسلام قبول کیا کیا ہے، اس بات پر کہ یہ لوگ جس جگہ رہتے ہیں۔ وہاں کی زمین ان کی ہے۔

۳ جب تک یہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ اس زمین کی پیداوار یہ کھائیں اور اپنے جانوروں کو چرائیں۔

۴ اور ان کے واسطے اس بات پر خدا کا عہد اور اس کے رسول (ﷺ) کا ذمہ ہے اور مہاجرین اور انصار اس عہد نامہ کے گواہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ہمدان کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس میں یہ لوگ رؤسا قوم تھے۔ مالک بن غط، ابوثور، (ذوالمتعار)، مالک بن ایفع، ضمان بن مالک السلمانی، اور عمیرہ بن خارنی۔ یہ لوگ یمنی چادریں اور عدنی عمامے باندھے ہوئے بڑے ادب اور جوش سے چلے آتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر کھڑے ہوئے تو مالک بن ایفع نے عرض کیا:

"حضور ﷺ ہمدان کے لوگ خدمت عالی میں حاضر ہیں۔ وہ خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے، بڑے بہادر ہیں۔ خدا اور رسول ﷺ کی دعوت کو انہوں نے قبول کیا ہے، اور بت پرستی چھوڑ دی ہے۔ عہد کے یہ لوگ بڑے پکے ہیں، کبھی ان کا پیمانہ شکستہ نہیں ہوتا۔"

رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ بالا عہدنامہ لکھ کر انہیں عنایت کیا۔

ہمدان یمن کا سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔ اس قبیلے کے ایک شخص قیس بن مالک نے بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے ان کے قبیلے میں بھیجا ہے۔ قیس رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے پورا قبیلہ اسلام لے آیا۔

# 7

## معاہدہ ثقیف (طائف)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱. اللہ کے رسول محمد النبی (ﷺ) کی یہ تحریر ثقیف کے لیے ہے۔

۲. اس تحریر میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کی ذمہ داری خدائے وحدہ لاشریک اور محمد النبی (ﷺ) بن عبداللہ پر ہے۔

۳. ثقیف کی وادی حرم قرار دی گئی ہے۔ وہاں کے جنگل، خار اور درخت، کاٹنا، شکار کرنا، ظلم، چوری یا برائی کے کام کرنا سب حرام ہیں۔

۴. جو (زمانہ نبوت میں ایک ریتلی وادی تھی، اس وادی کو چاروں اطراف سے پہاڑ گھیرے ہوئے ہیں، طائف کی موجودہ آبادی اس وادی میں واقع ہے۔ شہر کے وسط میں مسجد ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے۔ یہیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قبر ہے) کا ثقیف ہی کو سب سے زیادہ استحقاق ہے۔ طائف کی سرزمین کو فوجی گزرگاہ نہیں بنایا جائے گا اور اس کی وادی میں جو

چاہیں کریں اور جو عمارت چاہیں بنائیں۔

۵ اہل طائف، عشر، زکوٰۃ اور فوجی امداد سے مستثنیٰ ہوں گے، ان پر جان و مال کے لیے کسی قسم کا کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔

۶ یہ لوگ مسلمانوں ہی کی ایک جماعت سمجھے جائیں گے، اس لیے مسلمانوں میں جہاں چاہیں بے روک ٹوک آمد و رفت رکھ سکتے ہیں۔

۷ اگر کوئی شخص اہل طائف کے یہاں گرفتار ہو جائے تو اس کے فیصلہ کا ان ہی کو اختیار حاصل ہو گا۔

۸ اہل طائف کا رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول طالب ہو اور جو قرض رہن پر موسم عکاظ کے بعد تک کے لیے ہو وہ عکاظ کے وقت تک ادا کر دیا جائے گا۔ اللہ سود سے بری ہے۔ (عکاظ اسلام سے قبل عرب کا ایک مشہور میلہ تھا، جو نخلہ اور طائف کے درمیان لگتا اور ۲۰ دن تک رہتا تھا، اس میلے میں خرید و فروخت کے علاوہ شعر و ادب کی بڑی بڑی مجالس منعقد ہوتی تھیں، جن میں عرب کے نامور شعراء اپنے معرکۃ الآراء قصیدے سناتے اور خطیب فصیح و بلیغ تقریریں کرتے تھے)

۹ اہل طائف کے قبول اسلام تک جو قرضے ان کے کھاتوں میں وصول طلب ہوں۔ وہ ان کے مستحق ہوں گے۔ (عرب میں قبل اسلام یہ دستور تھا کہ سودی قرضے پر مدت مقرر کر لی جاتی تھی، اگر وقت پر قرض کی رقم ادا نہ ہوتی تو قرض کو دوگنا قرار دے کر مدت بڑھا دی جاتی تھی، اور اس مہلت میں بھی اگر

قرض ادا نہ ہوتا تو پھر قرض کی مقدار دوگنی کر کے مزید مہلت دی جاتی تھی۔ اسلام نے سودی کاروبار کی ہر ایک قسم کو یکسر حرام قرار دیا ہے)

⑩ اہل طائف کی کوئی امانت اگر امانتدار نے ضائع کر دی تو مالک کو واپس دلائی جائے گی۔

⑪ ثقیف کے جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں، ان کو بھی وہی امن اور حقوق حاصل ہوں گے جو موجودین کو حاصل ہیں۔ ان کے جو اموال لیہ (وادی لیہ شہر طائف کے جنوب مشرق میں چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آج کل یہ ایک زرخیز اور آباد گاؤں ہے) میں ہیں۔ وہ بھی وج کی طرح محفوظ رہیں گے۔

⑫ اس طرح جو شخص ان کا حلیف یا شریک تجارت ہوگا اس کو بھی وہی حق حاصل ہوں گے۔

⑬ اگر اہل ثقیف پر کوئی مالی یا جانی زیادتی کرے گا تو تمام مسلمان زیادتی کرنے والے کے خلاف ثقیف کی مدد کریں گے۔

⑭ ایسا شخص جس کا آنا ثقیف کو اپنے علاقہ میں پسند نہ ہو وہ ان کے یہاں نہ آنے پائے گا۔

⑮ خرید و فرخت کے لیے اپنے مکانوں کے سامنے یہ لوگ جگہ بنا سکتے ہیں۔

⑯ ثقیف کا حاکم ان ہی میں سے مقرر ہوگا۔ چنانچہ بنی مالک اور بنی اخلاف پر ان کا اپنا اپنا امیر ہوگا۔

⑰ ثقیف کے وہ لوگ جو قریش کے باغات کی آب رسانی

کریں گے، اس پر وہ نصف پیداوار کے حقدار ہوں گے۔

۱۸ رہن کی ضمانت پر سود نہیں لیا جائے گا۔ اگر رہن کی ادائیگی کی طاقت رکھتے ہوں تو ادا کر دیں، اور اگر فوری ادا نہ کر سکتے ہوں تو آئندہ سال کے جمادی الاولیٰ تک ادا کر دینا چاہیے اور جس کا وقت آچکا ہو اور ادا نہ کرے تو بلاشبہ اس نے اس کو سود بنا دیا۔

۱۹ اہل ثقیف پر جو قرض طلب ہو تو قرض خواہ کو صرف اصل ادا کی جائے گی۔

۲۰ اگر ان کے یہاں کوئی ایسا قیدی ہو، جسے اس کے مالک نے بیچ دیا ہو تو یہ بیع صحیح ہو گی اور جو فروخت نہ کیا گیا ہو اس کا فدیہ چھ اونٹنیاں ہوں گی، جو دو اقساط میں دی جا سکیں گی۔

۲۱ جس شخص نے کوئی چیز خریدی ہو تو صرف اس کو اس چیز کی فروختگی کا حق حاصل ہو گا۔

طائف، قریش کے دولت مندوں کا گرمائی مستقر تھا۔ یہ مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں عرب کے مشہور پہاڑ جبل السرات پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی پانچ ہزار فٹ ہے۔ یہ ٹھنڈا اور نہایت سرسبز و شاداب مقام ہے اور اپنی زرخیزی و خوبصورتی اور باغات کی کثرت کی وجہ سے عرب بھر میں مشہور ہے۔ خصوصاً مکہ مکرمہ کے لیے تازہ پھل اور سبزیاں یہیں سے مہیا کی جاتی ہیں۔ طائف کا شمار آج کل حجاز کے تمدن جدید سے آراستہ و پیراستہ بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔ یہ نہایت خوبصورت اور پر رونق

شہر ہے۔

قرآن حکیم میں عرب کے جن مشہور بتوں کا ذکر ہے، ان میں دو بت، لات اور عزیٰ'' کے نام سے موسوم تھے۔ یہ طائف ہی میں تھے اور عرب کے بڑی بتوں میں شمار ہوتے تھے۔

ہجرت سے کچھ عرصہ قبل نبی برحق ﷺ مکہ سے مایوس ہو کر اسلام کی تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے، مگر اہل طائف قریش سے بھی زیادہ سفاک اور سنگدل ثابت ہوئے۔ طائف میں بڑے بڑے دولت مند اور صاحب اثر رہتے تھے، ان میں عمیر خاندان سب سے بڑا ہوا تھا۔ یہ تین بھائی تھے عبد یالیل، مسعود اور حبیب، نبی کریم ﷺ ان کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے جو جوابات دیئے انتہائی متکبرانہ تھے۔ ایک نے کہا:

''اللہ تعالیٰ کو تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا، جسے وہ رسول بنا کر بھیجتا۔''

دوسرا بولا:

''اگر اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو رسول بنا کر بھیجا ہے، تو میں کعبہ کا غلاف ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔''

تیسرا اس سے بھی دو قدم آگے نکلا اور انتہائی بے ادبی کے ساتھ کہنے لگا:

''رب کعبہ کی قسم! میں تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ اگر واقعی تو (ﷺ) اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جیسا کہ تو (ﷺ) کہہ رہے ہو، تو پھر اس لحاظ سے تو (ﷺ) بڑا ہی خطرناک آدمی ہے۔ اس بارے میں تجھ (ﷺ) سے گفتگو کرنے اور تیرا جواب دینے میں خطرہ ہے اور اگر تو (ﷺ) اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہے، تو پھر بھی مجھ پر لازم ہے کہ تجھ سے بات

نہ کروں۔"

ان تینوں کی گفتگو سن کر رسول اللہ ﷺ رنجیدہ ہو کر وہاں سے اٹھے اور تشریف لے گئے۔

ابھی آپ ﷺ طائف کی وادی میں تھے کہ ان تینوں نے وہاں کے بدمعاشوں، غلاموں اور بچوں کو اکسا کر آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا تاکہ وہ آپ ﷺ کو تنگ کریں، آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائیں۔ ان اوباش اور ناسمجھ لوگوں نے شور و غل کرتے گالیاں بکتے آپ ﷺ کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ پتھر برسانا شروع کر دیے۔ جس سے آپ ﷺ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ وہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک پر پتھر مارتے۔ آپ ﷺ تکلیف کی شدت سے نیچے بیٹھ جاتے، اور اپنے دست مبارک سے پائے اقدس کو تھام لیتے۔ اس کے بعد دوبارہ کھڑے ہو جاتے، لیکن جب چلنے لگتے تو وہ لوگ پھر آپ ﷺ پر پتھر برسانا شروع کر دیتے۔ وہ آپ ﷺ پر ہنستے۔ ان بدبختوں نے آپ ﷺ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ ﷺ کے پائے اقدس لہولہان ہو گئے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو اس سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جدھر سے پتھر آتا وہ اس طرف ہو جاتے کہ کہیں پتھر حضور ﷺ کو نہ لگ جائے، مگر پتھروں کی تعداد اس قدر زیادہ ہوتی کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو پاتے تھے، مگر پھر بھی وہ جتنی کوشش کر سکتے تھے انہوں نے کی۔ بے شمار پتھر انہوں نے اپنے جسم پر کھائے۔ یہاں تک کہ ان کا سر بھی پھٹ گیا اور خون بہہ نکلا، لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

جب اہل طائف نے ظلم کی انتہا کر دی تو حضور ﷺ ایک مقام پر رکے، قریب ہی ایک باغ تھا۔ جو عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ آپ ﷺ مجبور ہو کر اس باغ میں داخل ہو گئے، تاکہ طائف کے ان گمراہ لوگوں سے جان چھوٹ سکے اور یہی ہوا۔ جب حضور

صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں داخل ہوئے تو وہ لوگ واپس چلے گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت پریشانی کے عالم میں بیٹھ گئے اور اپنے پروردگار سے دعا کے لیے دست مبارک دراز فرمائے اور فرمایا:

''اے میرے اللہ! میں اپنی قوت کی کمزوری اور تدبیر کی کمی اور لوگوں کی طرف سے اپنی رسوائی کی شکایت تجھ سے کرتا ہوں۔ اسے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے، تو ہی کمزوروں کا رب ہے، اور تو میری پرورش کرنے والا ہے، تو نے مجھے ایسے دور والے دشمنوں کے سپرد کر دیا ہے جو میری شکل دیکھتے ہی غصہ میں آجاتے ہیں۔ایسے کے لیے تو نے مجھے مالک بنا دیا ہے۔اگر یہ مجھ پر تیرا غضب نہیں تو میں کوئی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ میرے لیے تیری عافیت بہت وسیع ہے۔میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں، جس سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔دنیا و آخرت کے کام سدھر جاتے ہیں۔اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری خفگی ہو (میں) تیری ہی رضا مندی کا طالب ہوں، حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے اور تیرے سوا کسی میں کوئی قوت و طاقت نہ ہے۔''

❀

صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے متعلق خود ارشاد فرماتے ہیں:

''جب میں طائف والوں کی طرف سے مغموم ہو کر بیٹھا تھا تو میں نے اپنا سر اٹھایا، دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے۔پھر میں نے غور سے دیکھا تو اس میں حضرت جبرائیلؑ تھے انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قوم کی حرکتیں اور باتیں ملاحظہ فرمائی ہیں۔ یعنی جو انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ بدسلوکی کی ہے اور جو جواب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے، اور اس کو آپ ﷺ کے فرمان کے تابع کر دیا ہے۔ آپ ﷺ اسے جو حکم فرمانا چاہیں فرمائیں۔"

اس کے ساتھ ہی پہاڑوں کے فرشتے نے مجھ سے مخاطب ہو کر سلام کیا اور کہا:

"میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، ساری دنیا جہاں کے پہاڑ میرے قبضہ و اختیار میں ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قوم کی باتیں سنی ہیں اور مجھے آپ ﷺ کی خدمت کے لیے بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ جو چاہیں مجھے حکم فرمائیں۔ اگر آپ ﷺ مجھے حکم فرمائیں تو میں ان دو پہاڑوں کے درمیان انہیں کچل کر ہلاک کر دوں۔"

اس کے ساتھ ہی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں نہیں چاہتا کہ انہیں ختم کیا جائے، کیونکہ مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا فرمائیں گے، جو اس کی عبادت کریں گے، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔"

❀

رسول ﷺ جب باغ میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر پریشانی کے اثرات نمایاں تھے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ نے وہ سلوک دیکھ لیا تھا، جو لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ ان کے دل میں رحم کا جذبہ ابھرا اور انہوں نے اپنے ایک نصرانی غلام کو بلایا، جس کا نام عداس تھا۔ انہوں نے عداس کے

ہاتھ میں انگور کا ایک خوشہ دیا اور اسے کہا:

"اسے تھالی میں رکھ کر اس شخص کے پاس لے جانا کہ وہ اسے کھالے۔"

چنانچہ مالک کے فرمان کے مطابق عداس انگور کا خوشہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے انگور کی طرف دیکھا اور تناول فرمانے کے لیے دست مبارک بڑھایا تو فرمایا:

"بسم اللہ۔"

اس کے بعد انگور کا خوشہ تناول فرمایا۔ یہ دیکھ کر عداس آپ ﷺ کی شکل مبارک دیکھنے لگا اور حیرت سے کہنے لگا:

"خدا کی قسم! میں نے اس طرح کی بات یہاں کے لوگوں کے منہ سے کبھی نہیں سنی۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے عداس تم کس شہر کے رہنے والے ہو، اور تمہارا دین کیا ہے؟"

عداس نے جواب دیا:

"میں نینوا شہر کا رہنے والا ہوں، اور نصرانی ہوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"تم نیک شخص یونس بن متی کی بستی کے رہنے والے ہو۔"

یہ سن کر عداس نے کہا:

"آپ (ﷺ) حضرت یونسؑ کو کیسے جانتے اور پہچانتے ہیں آپ (ﷺ) کو کیسے معلوم ہوا کہ یونس بن متی کون تھا؟"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"وہ میرے نبی بھائی تھے، اور میں بھی نبی ہوں۔"

یہ سن کر عداس نے کہا:

''آپ ﷺ کا اسم مبارک کیا ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرا نام محمد (ﷺ) ہے۔''

عداس یہ سنتے ہی حضور ﷺ پر جھک گیا اور آپ ﷺ کا سر مبارک، دست مبارک اور پائے مبارک چومنے لگا۔ پھر کہنے لگا:

''میں نے مدت سے آپ ﷺ کا اسم مبارک دیکھا ہے اور توریت میں آپ ﷺ کی تعریف پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مکہ کی وادی میں مبعوث فرمائے گا۔ اول مکہ والے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کریں گے اور آپ ﷺ کو شہر سے نکل جانا پڑے گا۔ آخر کار آپ ﷺ کی مدد ہوگی اور پھر آپ ﷺ کا دین تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔''

اس کے ساتھ ہی عداس نے اسلام قبول کرلیا اور مسلمان ہوگیا۔ روایت میں آتا ہے کہ جب عداس رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک اور قدم ہائے مبارک کے بوسے لے رہا تھا تو ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ یہ دیکھ رہے تھے۔ جب عداس ان دونوں کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے کہا:

''اے کم بخت عداس! تمہیں کیا ہوگیا تھا کہ اس شخص کا سر ہاتھ پاؤں چوم رہا تھا۔''

عداس نے کہا:

''اے میرے سردار روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی ہے، جو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

عداس کی باتیں سن کر دونوں نے کہا:

''کم بخت! کہیں وہ تجھے تیرے دین سے برگشتہ نہ کر دے، تیرا دین تو اس کے دین سے بہتر ہے۔''

عداس پر ان باتوں کا ذرا برابر اثر نہ ہوا۔ وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو چکا تھا، اور خوشی میں سرشار اپنے آپ میں مگن تھا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

❀

اس دن کی شدید روحانی تکلیفوں اور جسمانی ایذاء رسانیوں کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۹ سال کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ ﷺ سے دریافت کیا:

''تمام عمر میں آپ ﷺ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا آیا؟''

تو آپ ﷺ نے طائف کے اسی دن کا ذکر فرمایا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ جو سفر طائف میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ان روح فرسا حالات سے پریشان ہو کر عرض کیا:

''ان بدبختوں کے لیے بددعا کیجیے۔''

تو رحمت اللعالمین ﷺ کا چہرہ مبارک تمتما اٹھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہرگز نہیں! میں دنیا کے لیے رحمت بن کر آیا ہوں۔''

اس کے بعد یہ دعا فرمائی:

''خدایا! میری قوم کو ہدایت دے اور بھلے برے کی تمیز عطا فرما۔''

۹ھ ۶۳۰ء میں فتح مکہ کے بعد جب حسب ارشاد خداوندی:

يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢

ترجمہ: "لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔"

(سورہ نصر، آیت: ۲)

اس کا موقع سامنے آیا اور اہل طائف نے دیکھا کہ اسلام تیزی کے ساتھ عرب میں پھیلتا جا رہا ہے اور گرد و پیش کے تمام قبائل اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے ہیں، تو انہیں بھی اسلام کی سچائی کا احساس ہوا اور انہوں نے بارگاہ اقدس ﷺ میں ایک وفد بھیجا۔ وہی عبد یالیل جو پہلے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلا چکا تھا اس وفد کا امیر تھا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں خیمہ لگوایا اور روزانہ عشاء کی نماز کے بعد وفد کے پاس تشریف لے جاتے اور دیر تک گفتگو فرماتے رہتے۔ کئی روز کے قیام کے بعد بالآخر ان لوگوں نے ان شرائط پر اسلام قبول کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔

1. نماز، زکوٰۃ اور جہاد سے ہمیں مستثنیٰ رکھا جائے۔
2. فواحش اور شراب سے نہ روکا جائے، ہمارے شہر میں انگور کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہماری بڑی نفع بخش تجارت ہے۔
3. ہماری قوم کا تمام کاروبار سود پر ہے، اس لیے سود خوری جائز رکھی جائے۔
4. طائف کو حرم (مقدس) قرار دیا جائے۔

نبی کریم ﷺ نے انہیں سمجھایا:

"نماز اور خدا کی عبادت کے بغیر انسان، انسان نہیں رہتا، فواحش ایک بہت بری بداخلاقی ہے۔ جس طرح تم اپنے متعلقین کی بے حرمتی پسند نہیں کرتے اسی طرح دوسرے بھی اپنے متعلقین کا تمہارے ہاتھوں خراب ہونا گوارہ نہیں کر سکتے۔"

ثقیف کو ابتداً ان کے اصرار پر زکوٰۃ اور جہاد سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا یقین تھا کہ جب اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے گا تو رفتہ رفتہ خود ان کے دلوں میں صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''میں نے اس واقعہ کے بعد نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

''جب یہ ایمان لا چکیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔''

چنانچہ دو ہی برس کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر ایسا ہی عمل میں آیا۔

❀

زکوٰۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ قرآن حکیم میں نماز اور زکوٰۃ کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور بار بار نماز کے حکم ''اقیمو الصلوٰۃ'' کے ساتھ ساتھ ''اتو الزکوٰۃ'' کا حکم پایا جاتا ہے۔ نماز جسمانی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت۔ نماز کا تعلق عبادت خداوندی سے ہے۔ جس کے بغیر انسان، انسان نہیں رہتا اور زکوٰۃ کا تعلق خدا کے بندوں کی مالی امداد و اعانت سے ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ فطری طور پر ہر شخص میں روزی کمانے اور بنیادی ضروریات زندگی کے مہیا کرنے کی یکساں استعداد نہیں پائی جاتی، حتیٰ کہ بعض لوگ قدرتی احوال کی بناء پر کچھ بھی کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس کے برخلاف کچھ لوگ وافر مال و دولت کے مالک ہوتے ہیں۔ انسانی اخوت و شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ بنیادی ضروریات زندگی سے زیادہ اموال کے مالک ہوں گے وہ اپنے غریب اور محتاج بھائیوں کی دست گیری کر کے انسانی شرافت و ہمدردی کا اخلاقی ثبوت دیں۔ اگر کسی معاشرے میں ایسا ایثار اور قربانی نہیں پائی جاتی تو پھر انسانیت سے گر کر کائنات کا

ذلیل ترین مخلوق بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب آخرت کی وعید بیان کی گئی ہے:

”اور ہرگز نہ گمان کریں جو بخل کرتے ہیں اس میں جو دے رکھا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے لیے، بلکہ یہ بخل بہت برا ہے ان کے لیے طوق پہنایا جائے گا انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن۔“ (سورہ آل عمران:۱۸)

اسلام میں جائز ذرائع سے حاصل شدہ دولت اگر پس انداز ہو جائے تو صدقات وخیرات کے ذریعے افراد قوم کو معاشی سہولیات بہم پہنچانے کی ترغیب دی گئی ہے:

’اور اس سے جو ہم نے انہیں روزی دی خرچ کرتے ہیں۔ (یعنی اپنے بھائیوں کی مدد کرتے ہیں۔)“ (سورہ بقرہ:۱)

قرآن حکیم شرافت انسانی کے اس جذبہ ایثار کو ”زکوٰۃ“ کے نام سے موسوم کرتا ہے، زکوٰۃ کے معنی لغت میں ”نمو“ اور پاک کرنے کے ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اپنے اموال میں اپنے مستحق بھائیوں کو شریک نہ کیا جائے گا، صاحب اموال کے لیے اس کا مال پاک نہیں ہوگا۔ اسلام نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ معاشی حیثیت سے ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہے، زکوٰۃ عائد کی ہے تاکہ دولت کسی فرد واحد کی ملکیت بن کر نہ رہ جائے۔

نقد، سونے، چاندی اور ان کے زیورات، زراعت، تجارت اور مویشیوں پر بھی اسلام نے زکوٰۃ فرض کی ہے اور ہر ایک علیحدہ علیحدہ نصاب مقرر کیا ہے۔ نقد اور سونے چاندی وغیرہ پر اڑھائی فیصد سالانہ زکوٰۃ فرض کی گئی ہے۔

اس بارے میں قرآن حکیم کا منشا یہ ہے:

''دولت انسانی معاشرے کے صرف چند ہی افراد تک محدود نہ رہے، بلکہ اس کا معاشرے میں گردش رہنا ضروری ہے تاکہ کوئی شخص اس سے محروم نہ رہے۔'' (سورہ حشر)

زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال میں جو کمی آتی ہے، اس کے لیے قرآن حکیم میں ''ثواب آخرت'' کی بشارت دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جولوگ خدا کی رضاجوئی کے لیے زکوٰۃ دیتے ہیں وہ اسے خدا کے یہاں دوگنا موجود پائیں گے:

''خدا کی رضاجوئی کے لیے تم جو کچھ زکوٰۃ دیتے ہو سو زکوٰۃ دینے والے اسے خدا کے یہاں دوگنا کرنے والے ہیں۔'' (سورہ روم)

زکوٰۃ دینے اور لینے والوں میں جو طبقاتی امتیاز پیدا ہوسکتا ہے، اسلام اس تفریق کو پسند نہیں کرتا، اس لیے زکوٰۃ کی براہ راست ادائیگی کی اجازت نہیں دی گئی، تاکہ لینے والے میں ذلت نفس اور دینے والے میں اپنی برتری کا احساس پیدا نہ ہونے پائے، بلکہ حکومت کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کو وصول کرکے ''بیت المال'' میں داخل کردے اور وہاں سے وہ منصفانہ طور پر تقسیم کی جائے۔

ساتویں صدی ہجری کے وسط تک اس طریقے پر عملدرآمد ہوتا رہا۔ ۶۵۶ء اور ۱۲۵۸ء کے تاتاری فتنے میں خلافت بغداد کی تباہی کے ساتھ یہ طریقہ بھی باقی نہ رہا۔

درحقیقت معاشیات کے باب میں اسلام نے افراط وتفریط کے بجائے ایک معتدل راہ پیدا کی ہے۔ وہ جہاں انفرادی دولت کی پیداوار پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا، وہیں اس کے ساتھ پیداوار پر مختلف ٹیکس لگا کر اس کو معاشرے میں بانٹ دیتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ اگر زکوٰۃ کی صحیح خطوط پر تقسیم کی جائے تو آج بھی آغاز اسلام کی طرح ہمارے معاشرے کی غربت وفلاکت بہت جلد معاشی ترقی وخوشحالی میں تبدیل ہوسکتی ہے۔

اسلام اپنا ایک مکمل معاشی نظام رکھتا ہے، قرآن حکیم نے بڑی شدومد کے ساتھ انفاق مال پر توجہ دلائی، اور ایسے سرمائے کی سخت مذمت کی ہے جو معاشرے کے کام نہیں آتا۔ اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک اصول یہ ہے کہ معاشرہ کے اقتصادی تفاوت کو زیادہ سے زیادہ کم کیا جائے تاکہ دولت کسی ایک طبقے میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ اسلام معاشیات میں غیر متوازن حالت کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ یہ بات پسند نہیں کرتا کہ ایک گروہ کے پاس تو دولت کے ڈھیر لگ جائیں، چند افراد ملک اور قوم کے سرمائے کو سمیٹ کر ایک مخصوص طبقے میں محدود کر دیں اور دوسرے کروڑوں انسان نان جویں تک کو ترستے رہیں۔ اسلام سرمائے کی زیادہ سے زیادہ تقسیم کا داعی ہے۔ وہ ایک ایسا اقتصادی نظام قائم کرنا چاہتا ہے، جس میں بنی نوع انسان کے لیے بنیادی حقوق کا زیادہ سے زیادہ لحاظ رکھا جائے۔

سرمائے کی تقسیم کے بارے میں اسلام کا طریقہ کار یہ ہے کہ دولت مندوں پر گراں بار ٹیکس لگا کر اس کے ذریعے سے غریبوں کے معیار زندگی کی سطح کو بلند کیا جائے تاکہ معاشرے میں ایک ایسا توازن قائم ہو جائے جس میں امیر و غریب ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام پسماندہ طبقے کو باقی رکھنا چاہتا ہے یا سرمایہ داری کو یکسر ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام ذاتی ملکیت اور سرمائے کا مخالف نہیں ہے، اس کے نزدیک ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جسمانی اور دماغی محنت سے جائز طور پر سرمایہ حاصل کر سکتا ہے اور اپنے لیے اور اولاد کے لیے پس انداز کر سکتا ہے۔ مستقبل کا فکر ہر انسان بلکہ حیوان تک کا فطری حق ہے۔ جس طرح ہر معاملہ میں ہر ذی روح اپنے مستقبل کا خیال رکھتا ہے، اسی طرح انسان کو بھی مال و دولت کی نسبت خیال رکھنے کا قدرتی حق حاصل ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ جو کچھ کھایا کمایا جائے وہ جائز طریقوں سے ہو، اس کے بعد جو دولت خرچ

کرنے سے بچ جائے اسے اٹھا کر رکھا جا سکتا ہے، مگر جب انفرادی یا اجتماعی ضرورت پیش آئے تو اسے خرچ کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔ حاجت مند لوگوں کی خدمت ایک اہم انسانی فرض ہے۔ ایک فلاحی ریاست کی اقتصادی پالیسی معاشرے میں انصاف کی ذمہ دار ہے، مگر سماجی انصاف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب لوگوں میں اشتراک وتعاون اور باہمی ہمدردی کا جذبہ موجود ہو، اور وہ ایثار کے لیے ہمہ وقت خود کو تیار رکھیں۔ خدا ترس اور انسانیت دوست افراد فلاح و بہبود کی کوششوں کو کبھی نظر انداز نہیں کرتے۔

اسلام کسی فرد کی صلاحیت کے نتائج اور صلے سے اس کو محروم کرنا پسند نہیں کرتا، اشتراکی اصول پر دولت کی تقسیم اس کے نزدیک کوئی مثبت اقدام نہیں ہے۔ ناداروں کو ان کی ضرورت کے مطابق مال رکھنے والوں سے ضرور ملنا چاہیے، لیکن اس کے لیے اسلام کے نزدیک مطلقاً یہ ضروری نہیں ہے کہ جو لوگ خوشحال ہوں ان کی خوشحالی میں کمی کی جائے۔ دنیا میں اتنے بے شمار وسائل ہمیشہ موجود رہے ہیں کہ سب لوگ خوشحال اور بھرپور زندگی گزار سکتے ہیں۔ البتہ اسلام نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ جو لوگ خوشحال ہیں ان کو چاہیے کہ غریبوں کی مدد کر کے انسانی شرافت و ہمدردی کا ثبوت دیں۔

# 8

## معاہدہ بنو غفار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱. بنو غفار مسلمانوں میں سے سمجھے جائیں گے، انہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو ہیں اور بنو غفار پر بھی وہی امور عائد ہوں گے جو مسلمانوں پر عائد ہوں گے۔

۲. محمد النبی (ﷺ) نے ان کی جان و مال کی حفاظت کے لیے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی ذمہ داری کا معاہدہ کیا ہے۔

۳. انہیں ایسے دشمنوں کے خلاف مدد دی جائے گی، جو ان پر ظالمانہ حملہ آور ہوگا۔

۴. ان لوگوں پر واجب ہوگا کہ جب اللہ کا نبی (ﷺ) ان کو مدد کے لیے بلائے تو یہ مدد دیں، مگر مذہبی جنگوں میں ہر فریق غیر جانبدار رہے گا۔

۵. جو شخص اس معاہدے سے روگردانی کرے گا اس کے لیے یہ معاہدہ حجت نہ ہوگا۔

بنو غفار عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا، قبول اسلام سے قبل اس کا پیشہ راہزنی تھا، یہ لوگ قبیلوں اور قافلوں پر چھاپے مارتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ مشہور جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''میں اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے قبیلے میں واپس آیا اور اس کو اسلام کی دعوت دی، قبیلے کے نصف لوگ ہجرت سے قبل اسلام لے آئے، بقیہ لوگ ہجرت کے بعد داخل اسلام ہوئے۔''

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ غفار کی نسبت ارشاد فرمایا:

''غفار کو اللہ نے بخش دیا۔''

مکہ مکرمہ سے جو کاروانی راستہ شام و فلسطین کی طرف جاتا ہے، اس شاہراہ پر قبیلہ غفار آباد تھا۔ بنو غفار نے وفد بھیج کر معاہدے کی پیش کش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے قبول فرما کر معاہدہ تحریر فرمایا۔

# 9

# معاہدہ بنی زرعہ، بنی ربعہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

- ۱ بنی زرعہ اور بنی ربعہ کی جان و مال کو امن حاصل ہوگا۔
- ۲ جو شخص ان پر حملہ آور ہوگا، اس کے مقابلے میں بنی زرعہ اور بنی ربعہ کی مدد کی جائے گی۔
- ۳ لیکن ان کے اندرونی جھگڑوں میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔
- ۴ ان قبائل کے قرب و جوار میں جو نیک اور پرہیزگار لوگ ہوں گے، ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے، جو قبیلوں کے لوگوں کو حاصل ہوگے۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جہینہ کی جن مختلف شاخوں میں جنگ میں حلیف رہنے کا معاہدہ فرمایا، ان میں بنی زرعہ اور بنی ربعہ بھی تھے۔ اس معاہدے میں دشمنوں سے ان قبائل کی حفاظت اور امداد کا وعدہ کیا گیا ہے، اور اس کے ساتھ ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی یقین دہانی بھی کی گئی ہے۔

# 10

## معاہدہ بنی عریض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے یہود بنی عریض کے نام

محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے یہود بنی عریض کو غلے کی کٹائی کے وقت دس وسق گیہوں اور اسی قدر جو اور پچاس وسق کھجوریں ہر سال اپنے وقت پر دی جاتی رہیں گی۔ ان لوگوں پر کوئی ظلم نہ ہونے پائے گا۔

(بقلم خالد بن سعید)

# 11

## معاہدہ بنی غادیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے، یہود بنی غادیا کے نام

۱. بنی غادیا کے یہود کی ذمہ داری لی جاتی ہے۔

۲. ان لوگوں پر جزیہ مقرر کر دیا گیا ہے۔

۳. یہ لوگ پیغمبر (ﷺ) کے ساتھ کسی طرح کی سرکشی نہ کریں گے۔

۴. ان لوگوں کو ان کے گھروں سے جلا وطن نہیں کیا جائے گا۔

۵. اس معاہدے کو کوئی چیز توڑ نہیں سکے گی۔

# 12

## اہل اذرح کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد النبی (ﷺ) کی جانب سے اہل اذرح کے نام

یہ لوگ اللہ اور محمد النبی (ﷺ) کی امان اور پناہ میں ہیں۔ ان پر ہر رجب کے مہینے میں سو دینار واجب الادا ہوں گے۔ مومنین کے ساتھ خیر خواہی اور احسان کرنے سے اللہ ان لوگوں کا کفیل ہوگا۔

یہ لوگ اس وقت تک ہر قسم کی امان میں ہیں، جب تک محمد (ﷺ) ان کو مطلع نہ کر دیں۔

مقدسی لکھتا ہے:

"اذرح، حجاز و شام کی سرحد پر واقع ہے، یہاں رسول اللہ ﷺ کا کھال پر لکھا ہوا ایک معاہدہ محفوظ ہے جو آپ ﷺ نے اسی بستی کے لوگوں سے کیا تھا۔"

اذرح سے چند میل کے فاصلے پر موتہ واقع ہے جہاں ۸ھ، ۶۲۹ء میں

مسلمانوں اور رومیوں کی پہلی جنگ ہوئی تھی۔ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ،
حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے مزارات ہیں۔

عقبہ کے پادری یوحنا کے ساتھ شام کے مختلف مقامات، خربا اور اذرح کے
عیسائی اور یہودی وفد بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب سے مصالحت فرمائی۔

اہل اذرح کو رسول اللہ ﷺ نے درج بالا فرمان عطا فرمایا۔

❁❁❁

# 13

# معاہدہ اکبر بن عبدالقیس

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے، اکبر بن عبدالقیس کے نام

1. زمانہ جاہلیت میں ان لوگوں نے جن فتنوں اور فسادات میں حصہ لیا ہے، اور ان سے جو گناہ صادر ہوئے، اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ان سے بری ہیں، لیکن آئندہ ان لوگوں پر اپنے عہد کا پورا کرنا لازمی ہے۔
2. رسد اور غلے کی فراہمی میں ان سے کوئی مزاحمت نہیں کی جائے گی اور نہ پھلوں کی تیاری کے وقت انہیں پریشان کیا جائے گا۔
3. بارش کے جمع کیے ہوئے پانی کے استعمال پر انہی کا حق ہوگا۔
4. علاء بن الحضرمی (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ان کی نگرانی پر مامور رہیں گے۔ اہل نجران پر لازم ہے کہ ان سے تعاون کریں۔

◆ ۵ مسلمانوں کے لشکر پر لازم ہوگا کہ ان لوگوں کو مال غنیمت میں شریک رکھیں، اور ان کے ساتھ عدل وانصاف برتیں، جہاد کے موقع پر اعتدال اور میانہ روی کا خیال رکھا جائے۔

◆ ۶ فریقین اس معاہدے میں کسی تبدیلی کے مجاز نہ ہوں گے، یہ لوگ نہ کسی معاہدے کو بدلیں گے اور نہ اس سے علیحدگی اختیار کریں گے۔

◆ ۷ اللہ اور رسول (ﷺ) اس معاہدے پر گواہ ہیں۔

بحرین کے ایک اور سردار قبیلہ اکبر بن عبد القیس اپنی قوم کا وفد لے کر بارگاہ اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا راستہ محفوظ نہیں ہے، اس لیے ہم بہ سہولت حاضر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے آپ ﷺ ہمیں ایسے امور کی تعلیم دیں جو حق و باطل کے مابین امتیاز کرنے والے ہوں، تاکہ ہم اپنی قوم تک ان باتوں کو پہنچا دیں۔"

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو خدا کی یکتائی اور اپنی رسالت کے افراد کے ساتھ نماز، زکوۃ، رمضان کے روزے اور مال غنیمت میں خمس کی ادائیگی کی تلقین فرمائی اور ابن عبد القیس کو مندرجہ بالا معاہدہ لکھ کر مرحمت فرمایا۔

# 14

## معاہدہ بنی سلیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"یہ وہ عطیہ ہے جو محمد رسول اللہ (ﷺ) نے راشد بن عبدرب السلمیٰ کو دیا۔ آپ نے ان کو موضع رھاط میں دو تیر کی زد کے بقدر (طول میں) اور ایک پتھر کی زد کے بقدر (عرض میں) زمین عطا فرمائی پس جو شخص بھی اس میں اپنا حق جتائے گا اس کا حق تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اصل حق انہیں کا ہے۔"

(کاتب خالد بن سعید)

غزوہ احزاب 5ھ کے بعد جب کفار اپنے گھروں کو لوٹ گئے تو قبیلہ سلیم کے ایک شخص قیس بن نشبہ (بروایت دیگر تسیبہ) بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا کلام سنا اور آپ ﷺ سے آسمانوں، فرشتوں، زمین وغیرہ سے متعلق سوالات پوچھے۔ آپ ﷺ نے ان سے سات آسمانوں، فرشتوں اور ان کی عبادت کا ذکر کیا اور زمین اور جو کچھ زمین میں ہے اس کو بیان فرمایا وہ اسلام لے آئے

اور اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے قبیلے سے کہا:

"اے بنی سلیم! میں نے اہل روم و فارس کا کلام' عرب کے کاہنوں کی کہانتیں اور قبیلہ حمیر کے لوگوں کی باتیں سنی ہیں مگر محمد ﷺ کا کلام ان سب سے مختلف ہے۔ پس تم لوگ محمد ﷺ کے بارے میں میری پیروی کرو، اگر ان کو غلبہ حاصل ہوا تو تم سب ان سے نفع اٹھاؤ گے اور اگر کوئی دوسری صورت ہوئی تو پھر بھی عرب تمہاری طرف پیش قدمی نہیں کریں گے۔"

حضرت قیس بن نشبہ رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر بنوسلیم کے بعض لوگ مسلمان ہو گئے۔ بنوسلیم کے ایک اور صاحب غادی بن ظالم تھے وہ اپنے قبیلے کے بت "سواع" کے پجاری تھے۔ ایک دن وہ بت خانے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دو لومڑیاں معبد کے اندر گھس آئیں اور آتے ہی اپنی ٹانگیں اٹھا کر سواع کی مورتی پر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر ان کے دل کی دنیا بدل گئی اور وہ سمجھ گئے کہ جو بت اتنے بے بس ہیں کہ اپنے سر پر لومڑی کو بھی پیشاب کرنے سے نہیں روک سکتے، وہ دوسروں کی کیا حاجت روائی کر سکتے ہیں۔ اس موقع پر ان کی زبان پر یہ شعر جاری ہوگیا:

ارب یبول الثعلبان براسه

لقد ذل من بالت علیه الثعالب

"کیا وہ ذات رب ہو سکتی ہے جس کے سر پر لومڑیاں پیشاب کریں بلاشبہ وہ ذلیل ہوا جس پر لومڑیوں نے پیشاب کیا۔"

اس کے بعد انہوں نے "سواع" کے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ان کا نام دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا:

"غادی بن ظالم۔"

حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ ناپسندیدہ ناموں کو تبدیل فرما دیا کرتے تھے۔ چونکہ غادی کے معنی گمراہ اور شریر کے ہوتے ہیں اور ظالم ویسے ہی ناپسندیدہ لفظ ہے اس لیے آپ ﷺ نے اس نام کو ناپسند کیا اور ارشاد فرمایا:

"تم راشد بن عبدرب ہو۔"

چنانچہ انہوں نے اسی نام سے شہرت پائی۔ اسی موقع پر انہوں نے قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ رسول اکرم ﷺ ان کی بہت قدر فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں ایک تحریری فرمان کے ذریعے سرزمین حجاز میں واقع "رھاط" نام کی ایک جگہ بطور جاگیر عطا فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت راشد بن عبدرب کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"عرب کی بستیوں میں بہترین بستی خیبر کی ہے اور بنی سلیم میں بہترین آدمی راشد ہیں۔"

حضور ﷺ نے حضرت راشد رضی اللہ عنہ کو اپنی قوم پر عامل مقرر فرمایا۔

فتح مکہ (رمضان 8 ہجری) سے پہلے بنو سلیم کا ایک وفد مقام قدید میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ وفد بہ اختلاف روایت 9 سو یا ایک ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا۔ وفد میں شامل جو حضرات ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے انہوں نے اس موقع پر قبول اسلام کی سعادت حاصل کی اور پھر سب نے فتح مکہ میں حضور ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ وفد کے قابل ذکر افراد میں حضرت عباس بن مرداس (نامور شاعر) حضرت انس بن عیاض رضی اللہ عنہ اور حضرت راشد بن عبدرب رضی اللہ عنہ تھے۔ ان حضرات نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! ہمیں لشکر کے ہراول (مقدمہ) میں جگہ دی جائے، ہمیں سرخ جھنڈا عنایت فرمایا جائے اور ہمارا نشان مقدم مقرر کیا جائے۔"

حضور ﷺ نے ان سب کی باتیں منظور فرمالیں۔ فتح مکہ کے بعد یہ اصحاب غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں بھی حضور ﷺ کے ہمرکاب رہے۔

فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے بتوں کو پاش پاش کیا تو حضرت راشد بن عبدرب رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"محبوبہ نے کہا کہ آؤ مل کر باتیں کریں میں نے کہا نہیں اب تو اللہ اور اسلام تمہارے پاس آنے سے روکتے ہیں۔ اگر تو فتح مکہ کے موقع پر جب بتوں کو توڑا جا رہا تھا، محمد ﷺ اور ان کے قبیلہ کو دیکھتی تو دیکھتی کہ اللہ کا نور تاباں و درخشاں ہے اور شرک کے چہرے پر سیاہی چھارہی ہے۔"

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ نے بھی اس موقع پر فتح مکہ کی مسرت میں ایک پرزور قصیدہ کہا۔

غزوہ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کو مولفۃ القلوب میں شمار کر کے 100 اونٹ عنایت فرمائے۔

"سیرۃ ابن ہشام" میں حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے:

"ان کے والد مرداس ضمار نامی ایک بت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ انہوں نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ضمار تمہارے نفع نقصان کا مالک ہے۔ اس لیے تم بھی اس کی پوجا کرو۔ چنانچہ باپ کے حکم کی تعمیل میں وہ بھی اس کو پوجنے لگے۔ ایک دن جب

وہ اس کی پرستش کر رہے تھے تو ایک منادی کی آواز سنی۔ یہ آواز ضمار کی بربادی اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اعلان کر رہی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیم عطا کی تھی اور جو زمانہ جاہلیت میں بھی بادہ نوشی سے نفور تھے۔ یہ آواز سن کر تھرا اٹھے۔ فوراً بت کو آگ میں جھونک دیا اور سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے چند دن بعد بنو سلیم کے وفد نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا تو وہ بھی اس میں شریک ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی یہ وفد لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کو "مذمور" نامی ایک جاگیر عطا فرمائی۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے ان کو تحریری فرمان عنایت فرمایا اس کا مضمون یہ تھا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"یہ وہ عطیہ ہے جو محمد النبی (ﷺ) نے عباس بن مرداس السلمی کو دیا۔ آپ نے ان کو "مذمور" عطا کیا جو ان کے خلاف حق جتائے گا اس کا کوئی حق نہیں اصل حق انہی کا ہے۔"

کاتب اور گواہ علاء بن عقبہ۔

# 15

## معاہدہ بنی جذام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"یہ مکتوب محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے رفاعہ بن زید کو دیا گیا۔ یہ ان کی قوم کے لئے اور ان کے لیے بھی جو اس کے ساتھ مل کر دعوت الی اللہ کا کام کریں۔ پس جو یہ دعوت قبول کرے وہ حزب اللہ میں داخل ہے اور جو انکار کرے اس کے لیے دو ماہ کی مہلت ہے۔"

غزوہ خیبر محرم 7 ھ سے پہلے بنو جذام کے ایک صاحب رفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک غلام ہدیہ پیش کیا، اور صدق دل سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں ان کی قوم کے نام ایک مکتوب دیا جس کا درج بالا تھا۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ یہ مکتوب لے کر اپنے قبیلے کے پاس آئے اور اہل قبیلہ کو دعوت اسلام دی تو وہ مسلمان ہو گئے۔ اس کے کوئی تین سال بعد بنی جذام کے ایک مرد حق فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ شہادت پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

بنو جذام کے ایک صاحب فروہ بن عمرو بن الغافرہ قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کی طرف سے عرب کے شمالی حصے کے حاکم (گورنر) تھے۔ ان کا دارالحکومت عمان تھا اور فلسطین کا متصلہ علاقہ بھی ان ہی کی حکومت میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انہیں دعوت اسلام ملی تو انہوں نے اس کو دل و جان سے قبول کرلیا۔ پھر ایک قاصد کو اپنے اسلام کی اطلاع دینے کے لیے بارگاہ رسالت (ﷺ) میں بھیجا اور اس کے ہاتھ میں ایک سفید خچر بھی بطور ہدیہ روانہ کیا۔ جب شاہ روم کو حضرت فروہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی اطلاع ملی تو انہیں حکومت سے واپس بلالیا۔ پہلے تو انہیں ترغیب دی کہ اسلام سے پھر جائیں مگر جب انہوں نے انکار کیا تو ان کو قید کر دیا۔ جب قید و بند کی صعوبتیں بھی حضرت فروہ رضی اللہ عنہ کو اسلام سے منحرف نہ کرسکیں تو شاہ روم نے حکم دیا کہ انہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ چنانچہ رومیوں نے انہیں فلسطین میں عفرا نامی ایک چشمے (تالاب) کے کنارے پھانسی دینے کا اہتمام کیا۔

حضرت فروہ رضی اللہ عنہ کو پھانسی کے لیے نیچے لایا گیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھے:

"کیا سلمٰی کو یہ خبر مل چکی ہے کہ اس کا شوہر عفرا تالاب کے کنارے ایک سواری پر سواری ہے۔ وہ ایسی اونٹنی پر سوار ہے جس کی ماں کے پاس نر نہیں گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں درانتیوں سے کاٹ دیئے گئے ہیں۔"

جان دینے سے پہلے انہوں نے یہ شعر پڑھا:

"مسلمانوں کے سردار کو یہ خبر پہنچادو کہ میں اپنی ہڈیوں اور اپنے مقام کو اپنے رب کے سپرد کرنے والا ہوں۔"

اس کے بعد انہوں نے ہنسی خوشی جام شہادت پی لیا۔

یہ واقعہ 10 ہجری کا ہے۔

# 16

## معاہدہ بنی ربیعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"یہ وہ عطیہ ہے جو محمد رسول اللہ (ﷺ) نے بنو ربیعہ کو جو عامر عکرمہ میں سے ہیں دیا۔ آپ نے ان کو مضیامہ سے لے کر زج اور لواثہ تک عطا فرمایا۔"

کاتب: خالد بن سعید

❀

یہ قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ تھا۔ غزوہ حنین شوال 8ھ کے بعد اس کے تین افراد ایک وفد کی صورت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ان کے نام یہ تھے:

خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہ

عداء بن خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہ

عمرو بن خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہ

ان تینوں نے قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔

اس موقع پر حضرت عداء بن خالد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک لونڈی یا غلام خریدا جس کے لیے باقاعدہ ایک دستاویز لکھی گئی۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں عبدالمجید

بن الوہب (ابویزید) سے روایت ہے کہ ایک دن عداء بن خالد رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا:

"کیا میں تم کو وہ مکتوب نہ سناؤں جس کو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے تحریر کروایا تھا، میں نے کہا ضرور تو انہوں نے ایک مکتوب نکالا جس میں تحریر تھا: "یہ وہ سودا ہے جو عداء بن خالد بن ہوذہ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا، غلام یا لونڈی کی بابت جس میں نہ کوئی مرض ہے نہ کوئی عیب نہ خرابی۔ مسلمان کا سودا مسلمان سے ہے۔"

صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عدائ رضی اللہ عنہ سے کچھ خریدا تھا۔ اس روایت کے بارے میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ حدیث مقلوب ہے اور صحیح بات وہی ہے جس کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن مندہ نے سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ مشتری حضرت عدائ رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے خریدا تھا؟

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے "الاستیعاب" میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے:

"حضرت عداء رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک غلام خریدا تھا جس کا بیعانہ بھی ان کے پاس موجود تھا۔"

جمہور محدثین اور ارباب سیر کی بھی یہی رائے ہے کہ بیچنے والے رسول اللہ ﷺ تھے اور خریدنے والے حضرت عداء بن خالد رضی اللہ عنہ۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عداء بن خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے قبیلے بنو ربیعہ کو ایک جاگیر بھی عطا کی۔ جس کے لیے یہ دستاویز لکھی گئی۔

اہل سیر نے تصریح کی ہے:

"زج ایک چشمہ تھا اس کے قریب ہی لواثہ نام کا ایک گاؤں تھا اس لیے دونوں کا تذکرہ ایک ساتھ کیا جاتا ہے۔"

# 17

# معاہدۂ جرش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ تحریر ہے محمد نبی (ﷺ) کی طرف سے اہل جرش کے حق میں'
اسلام لاتے وقت یہ جس محفوظ چراگاہ کے مالک تھے وہ ان ہی
کی رہے گی جس نے اپنے خاندان کی وسیع زمین کو چھوڑ کر اس
محفوظ چراگاہ میں اپنے مویشی چرائے' اس کے مال مویشی لینا
جائز ہے (یعنی یہ ضبط کر لیے جائیں گے) اور زہیر بن الحماطہ اس کا
بیٹا قبیلہ خثعم میں فرار ہے، وہ ان کا ضامن ہے۔

کاتب: معاویہ

گواہ: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ وفد حضرت صرد بن عبداللہ الازدی کو حکم دیا تھا کہ وہ وطن واپس جا کر قریبی مشرک قبائل کے ساتھ جہاد کریں۔ ارشاد نبوی (ﷺ) کی تعمیل میں حضرت صرد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر جرش پر حملہ کر دیا۔ جرش یمن کا مشہور شہر تھا جہاں منجنیق' دبابے ضبور وغیرہ قلعہ شکن اور دفاعی آلات حرب بنتے تھے۔ اس کے گرد

ایک مضبوط فصیل تھی۔ اہل جرش نے قلعہ بند ہو کر لڑنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے شہر پناہ کے دروازے بند کر دیے۔ ایک روایت کے مطابق قبیلہ خثعم کے مشرکین بھی ان کی مدد کے لیے پہنچ گئے مگر ان کو شہر سے باہر نکل کر لڑنے کی ہمت نہ پڑی۔ حضرت صرد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک ماہ تک محاصرہ جاری رکھا مگر شہر فتح ہونے میں نہ آیا' آخر انہوں نے ایک جنگی منصوبہ بنایا اور محاصرہ اٹھا کر واپس چل پڑے۔ وہ شکر نامی پہاڑ کے پاس پہنچے تو اہل جرش نے خیال کیا کہ مسلمان ڈر کر بھاگ رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا تعاقب کیا جب اسلامی لشکر کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے یکایک پلٹ کر ان پر اس زور سے حملہ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ دوران محاصرہ میں اہل جرش نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنے دو آدمی مدینہ منورہ بھیجے تھے۔ ایک دن یہ دونوں عصر کے بعد بارگاہ رسالت (ﷺ) میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا:

''شکر نامی پہاڑ کہاں واقع ہے؟''

ان دونوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! ہمارے علاقے میں ایک پہاڑ ہے جسے کشر کہا جاتا ہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''یہ کشر نہیں بلکہ شکر ہے۔''

انہوں نے عرض کیا:

''اس کے بارے میں کیا خبر ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہاں اللہ تعالیٰ کے اونٹ ذبح کیے جا رہے ہیں۔''

ارشاد نبوی ﷺ کا مطلب ان کی سمجھ میں نہ آیا اور وہ دونوں حضرت ابوبکر

الصدیق رضی اللہ عنہ (بروایت دیگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور ان کو حضور ﷺ کا ارشاد سنایا' انہوں نے فرمایا:

"اللہ کے بندہ' رسول اللہ ﷺ تمہاری قوم کی ہلاکت کی خبر دے رہے ہیں۔ تم حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کرو کہ آپ ﷺ اللہ سے تمہاری قوم کو ہلاکت سے بچانے کی دعا کریں۔"

انہوں نے ایسا ہی کیا تو حضور ﷺ نے دعا کی:

"الٰہی جرش والوں سے ہلاکت کو اٹھا لے۔"

جب یہ دونوں مدینہ سے چل کر اپنے وطن پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ جس دن رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے ذبح ہونے کی بات فرمائی تھی' اسی دن اسلامی لشکر نے اہل جرش پر حملہ کیا تھا۔ ادھر جس وقت اسلامی لشکر نے پلٹ کر اہل جرش پر تباہ کن حملہ کیا اور ان کے بہت سے آدمی مار ڈالے تو وہ پسپا ہو کر پھر شہر کے اندر آ گئے۔ اس لڑائی نے ان کے ہوش ٹھکانے لگا دیے اور ان کو اسلام کی طرف ترغیب ہوئی چنانچہ انہوں نے اپنا ایک وفد بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ یہ لوگ حسن اسلام سے آراستہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے شہر کے آس پاس کی جگہ اونٹوں گھوڑوں کی چراگاہ مقرر فرمائی اور اس کے گرد نشانات لگانے کا حکم دیا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے ایک تحریری فرمان اہل جرش کو عطا فرمایا جس کا مضمون درج بالا ہے۔

❀

ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اہل جرش کے نام حضور ﷺ کے فرمان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل جرش کے لیے ایک چراگاہ مخصوص فرمائی تھی، اور ان کے لیے اس بارے میں ایک

فرمان لکھا جس میں یہ الفاظ تھے کہ لوگوں میں سے (یعنی اہل جرش کے علاوہ لوگوں میں سے) جس نے بھی اپنے مویشی اس چراگاہ میں چرائے اس کا مال ہدر ہے۔ (یعنی اس کے مال مویشی چھین لیے جائیں گے۔)"

# 18

## معاہدہ بنی عقیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) نے عطا کیا ہے۔ ربیعؓ مطرف اور انس کو عقیق عطا کیا جب تک وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور سمع واطاعت کریں انہیں کسی مسلمان کا حق نہیں دیا۔

فتح مکہ کے بعد بنو عقیل (بن کعب) کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ یہ ان تین آدمیوں پر مشتمل تھا...... مطرف بن عبداللہ ؓ انس بن قیس ؓ اور ربیع بن معاویہ ؓ۔

ان حضرات نے اسلام قبول کیا اور حضور ﷺ کی بیعت کی۔ انہوں نے اپنے قبیلے کے ان لوگوں کی طرف سے بھی بیعت کی جو پیچھے رہ گئے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں مقام "عقیق بن عقیل" عطا فرمایا جس میں چشمے اور کھجور کے درخت تھے اور ان کے لیے سرخ چمڑے پر ایک دستاویز لکھوائی جس کا متن درج بالا تھا۔

# 19

## معاہدہ داریین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”یہ تحریر ہے محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے تمیم بن اوس داری کے حق میں کہ عینون کا گاؤں سارے کا سارا اس کے میدان، کھیت انگور کی بیلیں، کنوؤں کا پانی اور گائے بیل ان کی ملک ہیں اور ان کے بعد ان کی اولاد کے۔

اس پر کوئی اور شخص اپنا حق نہ جتائے اور نہ ناجائز طریقہ پر ان کے خلاف مداخلت کرے پھر جس نے ان کو یا ان کی (اولاد) میں سے کسی کو ستانا چاہا تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔“

کاتب: علی رضی اللہ عنہ

علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

”9ھ میں جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو الداریون کا ایک وفد شام سے مدینہ منورہ آیا۔“

یہ وفد بہ اختلاف روایت دس یا پندرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ مذہباً نصرانی تھے۔ ان میں مشہور صحابی حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی نعیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اہل وفد نے سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں پارچہ جات، شراب اور گھوڑے بطور ہدیہ پیش کیے۔ آپ ﷺ نے شراب کے سوا باقی چیزیں قبول فرمالیں۔ یہ سب اسی موقع پر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور پھر (بقول علامہ ابن سعدؒ) انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی:

"اللہ تعالیٰ ملک شام کو آپ ﷺ کے زیرِ نگین کر دے تو "بیت عینون" اور اس کا نواحی علاقہ ہمیں عطا فرمائیں۔"

آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور ذیل کا وثیقہ لکھوا کر ان کے سپرد کر دیا۔

"تاریخ ابن عساکر" "سیرت حلبیہ" (انسان العیون) اور "سیرت زینی دحلان" میں بیان کیا گیا ہے:

"دارین کا وفد دو مرتبہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ پہلی مرتبہ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مکہ معظمہ میں اور دوسری مرتبہ ہجرت نبوی ﷺ کے بعد مدینہ منورہ میں۔ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے جو وفد آیا وہ سات افراد پر مشتمل تھا جن میں تمیم داریؓ نعیم داری رضی اللہ عنہ اور ابوہند داری رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ یہ لوگ عیسائی تھے اور توریت و انجیل میں نبی آخر الزمان ﷺ کے بارے میں جو پیش گوئیاں کی گئی ہیں، ان سے آگاہ تھے۔ بارگاہ نبوی میں حاضری کے وقت ان کو یقین تھا کہ ایک دن حضور ﷺ کو شام فلسطین وغیرہ

پر غلبہ حاصل ہو گا چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ
جب آپ ﷺ کو ملک شام اور سرزمین بیت المقدس پر غلبہ
حاصل ہو جائے تو آپ ﷺ حبرون، بیت ابراہیمؑ بیت عینون
اور مرطوم ہمیں عطا فرما دیں۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست کو
شرف قبول بخشا اور ان مقامات کی ملکیت کا پروانہ ان کو لکھ دیا
اور پھر ان کو ہدایت فرمائی کہ اس وقت تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ
اور جب تم یہ سنو کہ میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلا گیا ہوں تو
اس وقت میرے پاس آ جانا۔ چنانچہ ہجرت نبوی ﷺ کے بعد
یہ لوگ دوبارہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور درخواست کی:

''جاگیر کے فرمان کی تجدید کر دی جائے۔''

اس پر آپ ﷺ نے حضرت معاویہ کو بلا کر پھر ان کے حق میں ایک دستاویز لکھوا دی جس میں پہلے فرمان کی توثیق کی گئی تھی۔ اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ثبت تھی۔

جمہور ارباب سیر نے داریین کے صرف ایک ہی وفد کا ذکر کیا ہے...... جو 9ھ میں مدینہ منورہ آیا تھا۔

# 20

## معاہدہ بنی البکّاء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے الفجیع کے لیے اور اس کے لیے جو اس کا تتبع کرے اور اسلام قبول کرے' نماز قائم کرے' زکوٰۃ دے' غنائم سے اللہ کا خمس دے اور نبی اور اس کے اصحاب کی مدد کرے۔ میں اس کے اسلام کی گواہی دیتا ہوں وہ مشرکین سے الگ ہوجائے اور وہ اللہ اور محمد (ﷺ) کی امان پر یقین کرنے والا ہے۔"

9ھ میں بنو البکاء کا ایک وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ ارباب سیر نے اس وفد میں شامل ان چار اصحاب کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے:

① معاویہ بن ثور بن عبادہ بن البکائی رضی اللہ عنہ
② بشر بن معاویہ رضی اللہ عنہ
③ عبد عمرو البکائی رضی اللہ عنہ
④ فجیع بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

یہ سب حضرات قبول اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئے۔
حضرت معاویہ بن ثور رضی اللہ عنہ ایک سو سال کی عمر کے شیخ کبیر تھے۔انہوں نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرا یہ بیٹا (بشر) میری بہت خدمت کرتا ہے۔میں چاہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیریں اور اسے دعائے برکت سے نوازیں۔''

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بشر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے لیے برکت کی دعا کی۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں چند بکریاں عنایت فرمائیں۔یہ ابن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے:

''یہ وفد مدینہ پہنچا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے بشر سے کہا:
''اے بیٹے جب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو تو تین باتیں عرض کرنا نہ ان سے کم اور نہ ان سے زیادہ۔پہلے کہنا 'السلام علیکم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر کہنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کروں اور اسلام قبول کروں۔اس کے بعد عرض کرنا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے برکت کی دعا کیجئے۔''

حضرت بشر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرا اور انہیں دعائے برکت سے نوازا پھر انہیں چند بکریاں عنایت فرمائیں۔
ایک روایت میں ہے:

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ بعض اوقات خشک سالی بنو البکاء

کو بہت تکلیف دیتی تھی مگر بشر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اس سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔"

عبد عمرو البکائی رضی اللہ عنہ غالباً بہرے تھے اس لیے اصم کے لقب سے مشہور تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام بدل کر عبدالرحمن رکھا اور "ذوالقصہ" نامی پانی کے ایک چشمے کی ملکیت کے حقوق عطا کیے۔

حضرت مجمع بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے حضور ﷺ نے درج بالا تحریر لکھوائی۔ ان اصحاب نے چند دن مدینہ منورہ میں قیام کیا اور آنحضور ﷺ کی مہمان داری سے متمتع ہوئے۔ جب وہ رخصت ہونے لگے تو آپ ﷺ نے انہیں مزید عطیات سے نوازا۔

❀❀❀

# 21

## معاہدہ بنی بارق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''یہ تحریر محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے بارق کے لیے ہے۔
ان کے پھل کاٹے نہیں جائیں اور گرمی کا موسم ہو یا سردی کا ان علاقوں میں ان سے پوچھے بغیر جانور نہیں چرائے جائیں گے۔
اور جو مسلمان مشقت (بروایت دیگر جنگ) یا قحط سالی کی حالت میں ان کے پاس سے گزرے' بنو بارق اس کی تین دن مہمانی کریں گے اور جب ان کے پھل پک جائیں تو مسافر اپنا پیٹ بھرنے کے لیے گرے ہوئے پھل چن سکے گا بشرطیکہ وہ چوری نہ کرے۔ (ادھر ادھرے پھل توڑ کر نہ کھائے)۔''

❀

ارباب سیر نے اس وفد کے ارکان کی تعداد اور بارگاہ رسالت میں اس کی حاضری کے سال کی صراحت نہیں کی۔ صرف اتنا لکھا ہے:
''بنو بارق کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا اور بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گئے اور آپ ﷺ کے

دست مبارک پر بیعت کی۔ حضور ﷺ نے انہیں ایک دستاویز عطا فرمائی جس کا مضمون درج بالا تھا:

یہ تحریر ابی بن کعب نے لکھی اور (حضرت) ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور (حضرت) حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ گواہ ہوئے۔

# 22

## معاہدہ بنی محارب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”یہ تحریر ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عظیم بن الحارث المحاربی کے نام کہ فخ ان کا ہے اس میں کوئی دوسرا اپنا حق نہیں جتائے گا۔“

کاتب: ارقم

❀

10ھ میں حجتہ الوداع کے موقع پر دس آدمیوں پر مشتمل بنو محارب کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں رملہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے مکان میں ٹھہرایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کی خاطر مدارت (مہمانداری) پر مامور فرمایا۔ ایک دن حضور ﷺ نے ظہر سے عصر تک کا وقت ان سے گفتگو کے لیے وقف کر دیا۔ اثنائے گفتگو میں حضور ﷺ نے ایک شخص کو غور سے دیکھا اور فرمایا:

”میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔“

وہ بولے:

”آپ ﷺ نے بالکل درست فرمایا آج سے بہت عرصہ پہلے

آپ ﷺ بازار عکاظ میں تشریف لائے تھے۔آپ ﷺ نے مجھے وہاں دیکھا اور مجھ سے بات بھی کی تھی۔میں نے آپ ﷺ کو نہایت گستاخانہ جواب دیا تھا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے مجھے یاد آ گیا۔"

ان صاحب نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! اس دن مجھ سے زیادہ بدبخت کوئی نہ تھا' میں نے سب سے بڑھ چڑھ کر آپ ﷺ کی مخالفت کی تھی۔میرے سب ساتھی تو اپنے آبائی مذہب پر مر گئے' اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اب تک زندہ رکھا اور اسلام قبول کرنے کی سعادت بخشی۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"سب کے دل میں اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔"

انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! میری گزشتہ لغزشوں کی معافی کے لیے دعا فرمائیے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اسلام لاتے ہی وہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو حالت کفر میں سرزد ہوئے ہوں۔"

ان صاحب کے علاوہ اس وفد کے دوسرے ارکان نے بھی نہایت خلوص اور ذوق وشوق سے اسلام قبول کیا اور بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا:

"ہم اپنے قبیلے کے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے بھی نمائندہ ہیں۔"

اس وفد میں حضرت عظیم بن حارث رضی اللہ عنہ، ان کے بھائی سواء بن حارث رضی اللہ عنہ

اور سواء رضی اللہ عنہ کے بیٹے خزیمہ بھی شامل تھے۔ ان تینوں کو بعض واقعات کی بناء پر خاصی شہرت حاصل ہوئی۔ ''الاصابہ'' (لابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عظیم بن حارث رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کے وقت ''مرتجز'' نامی اپنی سواری کا گھوڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قبول فرمالیا اور اس کے عوض ''فرعائ'' نامی اپنی اونٹنی ان کو عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تحریری فرمان کے ذریعے ان کو ''فخ'' نام کی ایک جاگیر بھی مرحمت فرمائی۔ اس فرمان کا متن درج بالا ہے۔

سواء بن حارث رضی اللہ عنہ وہی صاحب ہیں جو قبول اسلام سے پہلے ایک دفعہ مدینہ منورہ آئے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک گھوڑے کا سودا کیا تھا لیکن بعد میں اس سودے سے پھر گئے تھے پھر خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے (سودے کے موقع پر موجود نہ ہونے کے باوجود) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں گواہی دی تھی۔ (اس بناء پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فرماتے ہیں حق فرماتے ہیں) چنانچہ اس واقعہ کے بعد حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دی گئی۔

حضرت سواء رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت خزیمہ بن سوائ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہِ شفقت اپنا دست مبارک ان کے چہرے پر پھیرا۔ اس کے ساتھ ہی ان کا چہرہ نور سے چمکنے لگا۔ (سفید روشن ہوگیا۔)

یہ وفد مدینہ منورہ سے چلنے لگا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معمول کے مطابق اراکین کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کیا۔

# 23

## معاہدہ بنی حارث بن کعب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ فرمان اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے ہے۔

1. آپ نے ان کو حکم دیا کہ ہر معاملہ میں اللہ کے احکام کا لحاظ رکھو کیونکہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور نیک راہ پر چلتے ہیں۔
2. آپ نے ان کو حکم دیا کہ اللہ کے حکم کے مطابق جو حق بنتا ہے وہ وصول کرو۔
3. لوگوں کو کار خیر پر بشارت دو اور ان پر عمل کرنے کی تلقین کرو۔
4. اور قرآن کی تعلیم دو اور اس کی سمجھ ان میں پیدا کرو۔
5. لوگوں کو منع کرو کہ کوئی شخص بغیر طہارت (وضو) قرآن مجید کو چھوئے۔
6. لوگوں کو ان کے حقوق و فرائض بتاؤ۔
7. حق وصول کرنے میں نرمی کا معاملہ اور برتاؤ کرو۔
8. ظلم کے معاملہ میں سختی سے دارو گیر کرو کیونکہ اللہ ظلم کو

ناپسند کرتا ہے اور اس سے اس نے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ خبردار اللہ کی ظالموں پر لعنت ہے۔

◆ لوگوں کو جنت اور اس کے اعمال پر بشارت دو۔

◆ اور دوزخ اور اس کے اعمال سے ڈراؤ۔

◆ اور لوگوں سے الفت اور محبت کا برتاؤ کرو کہ ان میں دین کی سمجھ پیدا ہو جائے۔

⑫ لوگوں کو حج کے بنیادی مسائل، اس کے سنن و فرائض اور اوامر حج اکبر، حج اصغر یعنی عمرہ کے تفصیلی احکام بتاؤ۔

⑬ لوگوں کو منع کرو کہ کوئی شخص بھی صرف ایک چھوٹے سے کپڑے میں نماز نہ پڑھے۔ الا یہ کہ وہ وہ کپڑا اتنا بڑا ہو کہ اس کے دونوں کنارے کندھوں کو ڈھانپ لیں۔

⑭ لوگوں کو اس سے منع کرو کہ وہ ایک کپڑے میں اس طرح اکڑوں بیٹھیں کہ ان کی شرم گاہ اوپر سے نظر آنے لگے۔

⑮ کوئی شخص اپنے سر کے بالوں کا جوڑا بنا کر اسے گدی پر نہ لٹکائے۔

⑯ جب لوگوں کے درمیان صلح ہونے لگے تو کوئی شخص بھی اپنے قبیلہ اور خاندان کی جے نہ لگائے۔

⑰ بلکہ سب کی پکار صرف وحدہ لا شریک ہی کے لیے ہو۔

⑱ جو اللہ کی طرف دعوت کو چھوڑ کر قبائل اور خاندان کی طرف بلائے اس کا علاج تلوار سے کیا جائے یہاں تک کہ اس کی پکار اللہ وحدہ لا شریک کے لیے ہو جاؤ۔

◆ ۱۹ لوگوں کو حکم دیا جائے کہ وضو اچھی طرح کریں اور اپنے پورے چہرے پر پانی بہائیں۔

◆ ۲۰ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور پیروں کو ٹخنوں تک دھوئیں اور اللہ کے حکم کے مطابق اپنے سر کا مسح کریں اور ان کو حکم دیا کہ نماز وقت پر ادا کرو۔

◆ ۲۱ رکوع پوری طرح کرو اور نماز میں خشوع کا خیال رکھو۔

◆ ۲۲ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھو۔

◆ ۲۳ اور ظہر کی نماز آفتاب ڈھلنے سے پہلے ادا کرلو۔

◆ ۲۴ اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھی جائے کہ دھوپ ڈھل جائے۔

◆ ۲۵ اور رات کی آمد کے ساتھ ہی مغرب ادا کرلی جائے اور اسے ستاروں کے آسمان میں نمایاں ہونے تک موخر نہ کیا جائے۔

◆ ۲۶ عشاء رات کے اول وقت میں پڑھی جائے۔

◆ ۲۷ اور حکم دیا کہ جوں ہی جمعہ کی اذان ہو فوراً جمعہ کے لیے نکل پڑنا چاہیے۔

◆ ۲۸ نماز جمعہ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے غسل کیا جائے۔

◆ ۲۹ اور حکم دیا کہ مال غنیمت میں اللہ کے لیے پانچواں حصہ لیا جائے۔

◆ ۳۰ جو زمین پانی کے کنارے ہو یا بارانی ہو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ بطور زکوٰۃ فرض ہے۔

◆ ۳۱ جو زمین ڈول سے سیراب کی جائے اس پر نصف عشر ہے۔

۳۲ مویشیوں میں ہر دس اونٹوں پر دو بکریاں ہیں اور ہر بیس اونٹوں پر چار بکریاں ہیں۔

۳۳ ہر چالیس گایوں پر ایک گائے اور ہر تیس گایوں پر ایک سالہ بچہ نر یا مادہ۔

۳۴ ہر چالیس بکریوں پر جو جنگل میں چرنے والی ہوں ایک بکری ہے۔

۳۵ یہ صدقات کے ذیل میں اللہ کا مقرر کردہ ہے جو اس نے مومنین پر فرض کیا ہے جو مزید خیرات کرے تو اس کے لیے اور زیادہ اچھا ہے۔

۳۶ یہود اور نصاریٰ میں سے جو خلوص دل سے ایمان لے آئے اور اسلام کو بطور دین قبول کرے اس کا شمار مومنین میں ہوگا اور اس کے حقوق و فرائض وہی ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کے ہیں۔

۳۷ جو یہودیت اور نصرانیت پر قائم رہنا چاہے اسے اس کے مذہب کے سلسلہ میں کسی امتحان میں نہ ڈالا جائے۔

۳۸ ان میں سے ہر عاقل بالغ مرد' عورت' آزاد اور ایک غلام پر ایک پورا دینار یا اس کی قیمت کا کپڑا ہے۔

۳۹ جو یہ رقم ادا کر دے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمہ (امان) میں ہے۔

۴۰ اور جو یہ رقم ادا کرنے سے انکار کرے اس کا شمار اللہ اور اس کے رسول اور جملہ مومنین کے دشمنوں میں ہے۔

❀

بنو حارث بن کعب یمن کے ضلع نجران کا ایک نہایت معزز اور جنگجو قبیلہ تھا۔
جس زمانے میں آفتاب رسالت کوہِ فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا' اس قبیلے کی شجاعت اور کامرانیوں کی سارے عرب میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ رحمت عالم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں دیگر قبائل کے ساتھ اس قبیلے کے لوگوں کو بھی دعوت حق کا پیغام بھیجا لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا اور اپنے آبائی مذہب پر سختی سے جمے رہے یہاں تک کہ حضور ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ بدر، احد، احزاب کے معرکے گزر چکے اور مکہ پر پرچم اسلام بلند ہو چکا لیکن بنو حارث بن کعب کفر وضلالت کی وادیوں میں بھٹکتے رہے۔ آخر ربیع الاول 10 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو فوج کا ایک دستہ دے کر اس قبیلہ کو دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا۔ ان کی تلقین وتبلیغ سے سارے کا سارا قبیلہ شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گیا چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت ﷺ میں یہ خط بھیجا:

"محمد نبی رسول اللہ ﷺ کے لیے

خالد بن ولید کی جانب سے۔

السلام علیکم یا رسول اللہ ﷺ ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

میں آپ ﷺ کے سامنے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اما بعد یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے مجھے بنی الحارث بن کعب کی طرف بھیجا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ جب میں ان کے پاس پہنچوں تو تین دن تک ان سے نہ لڑوں اور ان کو اسلام کی دعوت دوں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کے اسلام کو قبول کر لوں اور ان کو اسلام کی تعلیمات کتاب اللہ اور سنت نبوی سے

روشناس کراؤں اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کروں ۔ چنانچہ میں ان کے پاس پہنچا اور ان کو تین تک اسلام کی دعوت دی اور چاروں طرف یہ اعلان کرنے کے لیے سوار دوڑائے کہ اے بنی حارث اسلام قبول کرلو اسی میں تمہاری سلامتی ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور جنگ سے گریز کیا۔ اب میں ان کے یہاں مقیم ہوں اور ان کو اسلام کے احکام اور سنت نبوی کی تعلیم دے رہا ہوں تا آنکہ آپ ﷺ کی جانب سے مزید ہدایات موصول ہوں ۔ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ ورحمتہ اللہ و برکاتہ"

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں سرور عالم ﷺ نے یہ مکتوب بھیجا۔

"محمد النبی رسول اللہ کی جانب سے خالد بن الولید کے نام......

سلام علیک ........... میں تمہارے سامنے اس اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ تمہارے قاصد کے ذریعے تمہارا خط ملا جس میں بنی الحارث بن کعب کے بغیر جنگ و جدل کے اسلام لانے کی خبر دی گئی ہے اور یہ کہ ان لوگوں نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا' اللہ کی وحدانیت کی شہادت دی اور محمد (ﷺ) کی عبدیت اور رسالت کی گواہی دی اور یہ کہ اللہ نے ان کو ہدایت دی ہے۔ تم ان کو بشارت دو اور ڈراؤ۔ اب تم خود بھی لوٹ آؤ اور اپنے ساتھ ان کا ایک وفد بھی لیتے آؤ۔ والسلام علیک ورحمتہ اللہ و برکاتہ۔"

❀

حضور ﷺ کا مکتوب گرامی موصول ہونے پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنو حارث بن کعب کا ایک وفد تشکیل دیا اور اس کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔ بنو حارث بن کعب کے وفد میں قیس بن الحصین' شداد بن عبداللہ القنانی' یزید بن عبدالمدان' عبداللہ بن قراد الزیادی' یزید بن المحجل، عمرو بن عبداللہ الضابی اور کچھ دیگر معززین قبیلہ شامل تھے۔ جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں پیش ہوئے تو حضور ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

"یہ کس قوم کے لوگ ہیں جو ہند کے رہنے والے معلوم ہوتے ہیں"

پھر حضور ﷺ نے ان سے پوچھا:

"زمانہ جاہلیت میں جو تم سے لڑا وہ ہمیشہ مغلوب رہا اس کا کیا سبب ہے۔"

انہوں نے کہا:

"یارسول اللہ ﷺ اس کے تین سبب تھے:

① ہم اپنی طرف سے کسی پر ظلم یا زیادتی نہیں کرتے تھے۔

② ہم خود کسی پر چڑھ کر نہیں جاتے تھے اور نہ لڑائی میں پہل کرتے تھے۔

③ جب ہم پر کوئی لڑائی تھوپ دیتا تو میدان جنگ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے تھے اور کبھی منتشر نہ ہوتے تھے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"تم سچ کہتے ہو جو فوج یا جماعت ان اصولوں کے مطابق لڑے گی وہ ہمیشہ غالب رہے گی۔"

کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کرنے کے بعد جب یہ لوگ رخصت ہونے لگے تو

حضور ﷺ نے حضرت قیس بن الحصین رضی اللہ عنہ کو ان کا سربراہ مقرر فرمایا اور عام اراکین وفد کو دس دس اوقیہ اور قیس بن الحصین رضی اللہ عنہ کو ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔

اپنے ایک جاں نثار حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے وفد کے ساتھ محصل اور معلم بنا کر روانہ فرمایا، اور انہیں ایک تحریری فرمان عطا فرمایا جس میں فرائض، حدود اور شریعت کے احکام درج تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "البدایہ والنہایہ" میں اس فرمان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

"پھر وہ (یعنی وفد بنی حارث بن کعب) شوال یا اوائل ذی القعدہ میں اپنے قبیلے میں واپس چلا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو ان کے وفد کا والی بنا کر بھیجا تا کہ وہ ان کو فقاہت دین سنت اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کریں اور ان سے زکوٰۃ صدقات وصول کریں۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو تحریر عطا کی جس میں ان سے عہد لیا اور خصوصی احکام دیے۔"

علامہ ابن سعد کاتب الواقدی نے اس فرمان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے (حضرت) عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت ایک عہدنامہ تحریر کروایا تھا جس میں اسلام کے فرائض، شریعت اور حدود کی تعلیم دی گئی تھی۔ اس کے کاتب ابی (بن کعب انصاری تھے)۔

اس فرمان کو جسے کتاب یا عہدنامہ بھی کہا جاتا ہے۔ تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا محمد عبدالشہید نعمانی صاحب نے اپنی گراں قدر کتاب "فرامین نبوی" میں اس فرمان کے بارے میں لکھا ہے:

"یہ عہدنامہ متعدد وجوہ کی بنا پر انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں ایک طرف جہاں اسلام کے بنیادی ارکان کے بارے میں تفصیلات موجود ہیں۔ وہاں نظمِ مملکت کے سلسلہ میں بھی یہ ایک

سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں نہ صرف ایک حکمران کے ضروری اوصاف کی نشاندہی ہے بلکہ اس کے فرائض کی تفصیل بھی موجود ہے۔ اس عہدنامہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض مواقع پر رسول اللہ ﷺ مختلف مناسب اور ذمہ داریاں سونپتے ہوئے عہد بھی لیا کرتے تھے۔"

❀❀❀

# 24

## معاہدہ بریدہ بن الحصیب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

◆ اسلم کے لیے جو خزاعہ کی شاخ ہے ان لوگوں کے لیے جو ان میں سے ایمان لاتے ہیں' نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے دین کے بارے میں بھی بہی خواہی دکھاتے تھے۔

◆ انہیں ایسوں کے خلاف مدد دی جائے گی جو ظلم سے ان پر اچانک دھاوا بول دیں۔

◆ اور ان پر نبی (ﷺ) کی مدد واجب ہو گی جبکہ آپ (ﷺ) ان کو بلائیں۔

◆ اور ان کے خانہ بدوش بدویوں کے لیے بھی وہی (حقوق۔ وواجبات) ہیں جو ان کی بستی کے رہنے والوں کے لیے ہیں۔

◆ اور وہ مہاجر ہی ہیں جہاں بھی رہیں۔

علاء بن الحضرمی نے لکھا اور گواہی ثبت کی۔

ان کا تعلق قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنی اسلم سے تھا۔ ہجرت کے وقت جب

رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے تو وہ غمیم کے مقام پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے اسی گھرانوں نے اسلام قبول کیا۔ ایک اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے اپنا اور اپنی قوم کا اسلام پیش کیا اور ہجرت کر کے مدینہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں وہیں رہنے کی ہدایت فرمائی۔

علامہ ابن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو اسلم کے لیے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو ایک پروانہ عطا فرمایا: اس وقت آپ ﷺ غدیر اشطاط کے تالاب پر خیمہ زن تھے۔ اس پروانہ نبوی کا متن درج بالا تھا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ پروانہ مبارک حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو ہجرت نبوی ﷺ کے بعد کسی موقع پر عطا فرمایا کیونکہ اس کے کاتب حضرت علاء بن الحضرمی سفر ہجرت میں آپ ﷺ کے ہمرکاب نہیں تھے۔

❁❁❁

# کتابیات


- سیرت ابن ہشام
- طبقات ابن سعد
- اسد الغابہ
- فرامین نبوی
- الاستیعاب
- مکاتیب النبی
- غزوہ تبوک
- رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی
- قسطلانی
- الوثائق
- مسند امام احمد بن حنبل
- سیرتِ حلبیہ
- بلادِ فلسطین وشام
- اٹلس آف اسلامک ہسٹری
- دلائل النبوۃ
- تاریخ ابن عساکر
- سیرت النبی ﷺ
- مفردات
- معجم البلدان
- کنز العمال
- کتابِ مقدس
- عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ
- الفائق
- زاد المعاد
- حجۃ البالغہ
- البدایہ والنہایہ
- الخصائص الکبریٰ
- رحمۃ اللعالمین ﷺ
- دعوتِ اسلام
- الاصابہ


❀❀❀

Design by: Qazi Graphics Lahore Pakistan